إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

یقینا حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں

الاعلام

بنقد کتاب

الحلال والحرام فی الاسلام للقرضاوی

تالیف:

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

مقدمہ

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین، وبعد:

حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:(إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ) ترجمہ: یقینا حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں یعنی اس میں شبہ ہے ان کو بہت لوگ نہیں جانتے تو جو شبہوں سے بچا وہ اپنے دین اور آبرو کو سلامت لے گیا اور جو شبہوں میں پڑا وہ آخر حرام میں بھی پڑا جیسے وہ چرانے والا کہ چراگاہ یعنی روکی ہوئی زمین کے آس پاس چراتا ہے اس کے جانور چراگاہ کو بھی چر جائیں گے۔خبر دار رہو ہر بادشاہ کا ایک چراگاہ ہوتا ہے خبر دار رہو اللہ تعالیٰ کا چراگاہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں جان رکھو بیشک بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جو وہ بگڑ گیا تو سارا بدن بگڑ گیا یاد رکھو وہ ٹکڑا دل ہے۔(صحیح مسلم:۱۵۹۹)۔

مجھے شیخ یوسف قرضاوی کی "الحلال والحرام فی الاسلام" نامی ایک کتاب ملی، جس میں انہوں نے معاملات اور کھانے پینے سے متعلق بہت سارے مسائل پر کلام کیا ہے، اس کتاب کے اندر

مصنف نے بہت ساری جگہوں پر غلطیاں کی ہیں، میں نے سوچا ان غلطیوں کی جانب مصنف کی توجہ مبذول کرادوں ہوسکتا ہے مصنف کتاب کا مراجعہ کرکے ان غلطیوں کی اصلاح کرلے، تاکہ کتاب کا فائدہ عام ہوجائے اور اجر وثواب بھی حاصل ہوجائے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: (مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا) ترجمہ: جو شخص ہدایت کی طرف بلائے اس کو ہدایت پر چلنے والون کا بھی ثواب ملے گا اور چلنے والوں کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے اس کو گناہ پر چلنے والوں کا بھی گناہ ہوگا اور چلنے والوں کا گناہ کچھ کم نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم: ۲۶۷۴)۔

اس کتاب پر ملاحظات نقل کرنے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ برادرم شیخ عبدالحمید طہماز نے پہلے ہی اس پر ملاحظات نقل کیا ہے جس کا نام "**نظرات فی کتاب الحلال والحرام فی الاسلام**" ہے، جس کے مقدمے میں اجتہاد اور شرعی دلائل سے احکام شرعیہ اور مسائل استنباط کرنے نیز اس میدان میں ائمہ اسلام کے جہود کس ذکر کیا ہے، اور جسکے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ یوسف قرضاوی نے اپنی اس کتاب کے اندر وہ طریقہ استعمال نہیں کیا جسے آج تک ائمہ اسلام اور علمائے دین استعمال کرتے آئے ہیں، اسی لئے جگہ جگہ ٹھوکر کھائی ہے، کہیں پر شاذ اقوال نقل کردیا ہے، تو کہیں پر ضعیف روایات، کہیں پر اقوال کی نسبت غلط کردی ہے۔

ممکن ہے مصنف نے یہ طریقہ اخلاص کے ساتھ استعمال کیا ہو تاکہ غیروں کی نظر میں اسلام کی رواداری اور نرمی کو ظاہر کرسکیں، لیکن حقیقت یہ ہیکہ اسلام لوگوں کی خواہشات ہر نہیں آیا ہے، اسلام میں

جو کچھ ہے وہ سب نرمی اور سہولت پر مبنی ہے، انسان کو انہیں چیزوں کا مکلف بنایا گیا ہے جن کی اسے طاقت ہے، اور یہ ہر زمان امکان کیلئے مناسب ہے۔

مصنف نے کچھ بنیادی اصول نقل کئے ہیں، جیسے:

اچھی نیت سے حرام چیز جائز نہیں ہو جائے گی۔

حرام کیلئے حیلہ اپنانا بھی حرام ہے۔

جو چیز حرام تک پہونچائے وہ بھی حرام ہے۔

اسلام میں جو بھی حلال ہے وہ حرام سے بے نیاز ہے۔ یعنی حلال کے ہوتے ہوئے حرام کی ضرورت نہیں ہے۔

اور اسی طرح ان مقلدین کی بھی گرفت کی ہے جو بلا دلیل معاملات میں حرام کہہ دیتے ہیں۔

اس طرح برادرم عبدالحمید طہماز نے قرضاوی کے منہج اور فکر کو بھی واضح کر دیا ہے جس سے کتاب کو سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہے، جزاہ اللہ خیرا علی ھذا الصنیع۔



”الحلا ل والحرام فی الاسلام“ کی غلطیوں کی وضاحت

اور اسکا جواب

ذیل میں مصنف سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی وضاحت کی گئی ہے پھر انکا جواب دیا گیا ہے:

۱۔شرعی تکالیف،دینی شعائر اور حلال وحرام کو حکمت اور عقلی علتوں سے خالی کہنا:

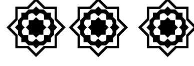
مصنف نے ص ۲۱ / پر کہا:

(انسانوں کے خالق اور انکے منعم حقیقی اللہ کا یہ حق ہیکہ وہ انکے لئے جو چاہے حلال کرے اور جو چاہے حرام کرے،اور جو چاہے ان پر تکالیف اور دینی شعائر واجب کرے،بندوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس پر کوئی اعتراض کریں یا اسکی نافرمانی کریں۔یہی حق ربوبیت اور عبادت کا تقاضہ ہے)۔

تبصرہ:

یہاں غلطی یہ ہیکہ مصنف نے دینی شعائر وتکالیف کو حکمت سے خالی بتایا ہے اور انہیں صرف ربوبیت اور عبودیت سے مربوط کر دیا ہے، جو کہ باطل ہے، کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ کی شریعت حکمت سے خالی ہے، امر ونہی سب حکمت سے خالی ہے،اس طرح اللہ کیلئے عبث اور فضول کو ثابت کرنا لازم آتا ہے، جس سے کہ اللہ تعالی بری اور پاک ہے،اس تعلق سے اہل سنت والجماعہ کا مذہب یہ ہیکہ اللہ تعالی جس بھی چیز کو حلال وحرام کرتا ہے اور حکم ومنع کرتا ہے کسی نہ کسی مصلحت اور حکمت

کے پیش نظر۔ اسکا کوئی بھی امر حکمت سے خالی نہیں ہوتا خواہ ہمیں اسکا علم ہو یا نہ ہو۔



۲-غیر مسلموں سے دوستی کرنا

مصنف نے آگے ص ۴۸ / پر کہا:

(اہل کتاب کے ساتھ دوستی کرنے، کھانا کھانے، معاہدہ کرنے اور انکے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کو مشروع کیا گیا ہے)۔ اسی طرح آگے ص ۲۴۷ پر کہا: (غیر مسلموں کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کیسے کر سکتے ہیں اور انکے ساتھ ملکر کیسے رہ سکتے ہیں جبکہ قرآن نے ہمیں کفار سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے؟ پھر خود ہی اسکا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ آیات جن میں کفار سے دوستی کرنے سے منع کیا گیا ہے وہ مطلق طور پر نہیں ہے، اور نہ ہی اس سے مراد ہر یہودی، ہر عیسائی اور ہر کافر ہے، کیونکہ اگر انہیں مطلق طور پر مان لیا جائے تو پھر ان آیات اور نصوص سے تعارض ہو جائے گا جن میں اہل خیر سے دوستی کرنے کا حکم ہے خواہ وہ کسی بھی دین سے تعلق رکھتا ہو۔ پھر آخر میں کہا کہ یہ آیات دراصل ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں یعنی جو حربی کافر ہیں)۔

تبصرہ:

یہاں ہم مصنف کو دو وجوہات سے جواب دے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

وہ آیات (سورہ ممتحنہ) جن کے اندر کفار کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ذکر آیا ہے انکے بارے میں بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ منسوخ ہیں۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ یہ رخصت ہے ان لوگوں کے بارے میں جو مومنوں سے نہ تو دشمنی رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے قتال کیا ہے۔ ابن زید نے کہا کہ یہ

آغاز اسلام میں تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔قتادہ کہتے ہیں کہ اسے قرآن کی اس آیت نے منسوخ کر دیا:(فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ) ترجمہ: پس جب حرمت والے مہینے نکل جائیں توان مشرکوں کو جہاں پاؤقتل کرواورانھیں پکڑواورانھیں گھیرواوران کے لیے ہرگھات کی جگہ بیٹھو، پھر اگروہ توبہ کرلیں اورنماز قائم کریں اورزکوٰۃادا کریں توان کاراستہ چھوڑدو۔بے شک اللہ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے۔(التوبہ:۵)۔

یہ بھی کہا گیاہے کہ یہ حسن سلوک ایک علت کی وجہ سے تھا یعنی معاہدہ کی وجہ سے،لیکن جب فتح مکہ کے بعدمعاہدہ ختم ہوگیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہوگیالیکن آیت کی تلاوت باقی رہی۔

ابن جریر نے کہا کہ یہ آیت صرف ان لوگوں کیلئے خاص ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔

اس طرح یہ آیت یا تو منسوخ ہے یا پھران لوگوں کیلئے خاص ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔

اس طرح اس آیت اوران آیتوں کے درمیان کوئی اشکال نہیں ہے جن کے اندرکفار سے عمومی طورپردوستی کرنے سے منع کیا گیاہے۔

دوسری وجہ:

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے اوران لوگوں کے ساتھ خاص بھی نہیں ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی،تو بھی مصنف کا یہ یہ استدلال درست نہیں ہے کہ کفار سے دوستی کرنا جائز ہے،بلکہ ان آیات کے اندرکفار کے صلہ کابدلہ اورانکے احسانات کابدلہ چکانا مراد ہے،اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کفار سے دوستی اور دل سے محبت کرسکتے ہیں،چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵/

۲۳۳) میں کہا کہ بھلائی، صلہ رحمی اور احسان کرنے سے وہ محبت اور دوستی لازم نہیں آتی جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے: (لا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ) ترجمہ: تو ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نہیں پائے گا کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، خواہ وہ ان کے باپ ہوں، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کا خاندان۔ (المجادلۃ: ۲۲)۔

کیونکہ یہ آیت ہر کافر کے بارے میں عام ہے خواہ کوئی قتال کرے یا نہ کرے، واللہ اعلم۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی (نیل الاوطار: ۶ / ۵) میں کہا ہے۔

اس سے وہ اشکال ان شاء اللہ دور ہو جائے گا جسے مصنف نے اپنی کتاب کے اندر پیش کیا ہے۔



۳-تمباکو خوری اور سگریٹ نوشی کا حکم

مصنف نے آگے ص ۶۲ / پر کہا:

مصنف نے آگے ص ۶۲ پر ہر جان لیوا اور مضر اشیاء کی حرمت بیان کرتے ہوئے کہا: (اسی اصول کی بنیاد پر ہم کہیں گے کہ تمباکو خوری اور سگریٹ نوشی اگر اسکے کھانے پینے والے کیلئے مضر ہو تو حرام ہوگا اور خاص طور پر اگر کسی کیلئے کوئی ڈاکٹر اسکی تصدیق کردے۔ اور آگے ص ۹۳ پر حرام زراعت کے عنوان سے کہا: اسی طرح تمباکو ہے، اگر ہم اسکے کھانے کو حرام کہتے ہیں تو اس کی زراعت بھی حرام ہوگی، اور اگر مکروہ کہتے ہیں تو اسکی زراعت بھی مکروہ ہوگی)۔

تبصرہ:

اسکے جواب میں ہم کہیں گے:

آخر مصنف کو تمباکو کی حرمت میں تردد کیوں ہے جسکا نقصان اظہر من الشمس ہے، تجربات اور اطباء کی گواہیوں کی روشنی میں واضح بھی ہے، اور بہت سے تمباکو کھانے والوں نے اسکا اقرار بھی کیا ہے، اور اسی وجہ سے بہتوں نے ترک بھی کردیا ہے، اسلئے مطلق طور پر اسکی حرمت ثابت ہے نہ کہ صرف اس شخص کے حق میں جسکے لئے کوئی طبیب فیصلہ کرے۔

مصنف نے کتاب کے آغاز میں یہ ثابت کیا ہے کہ کوئی چیز اپنی خباثت اور نقصان دہ کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ جو چیز حرام ہوتی ہے وہ سب پر حرام ہوتی ہے۔ پھر آخر یہاں تمباکو کے مسئلے میں کیوں ایسا کہہ رہے ہیں کہ نقصان کیلئے کوئی طبیب فیصلہ کرے گا اور وہ بھی جس کسی متعین

شخص کیلئے ثابت ہوگا اسی کے حق میں حرام ہوگا؟!

مصنف نے تمباکو نوشی کے مسئلے میں کچھ علماء کے فتاوے بھی نقل کیا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کا فتوی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ حرام کہا ہے اور اس کی حرمت پر نقل صحیح، عقل صریح اور معتبر اطباء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں، اور ساتھ میں مذاہب اربعہ کے علماء کے اقوال بھی نقل کئے ہیں جنہوں نے حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ عقل صریح کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ یہ اب واضح ہو چکا ہے کہ تمباکو نوشی سے بہت سارے امراض لاحق ہوتے ہیں، جسکی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا استعمال کرنا حرام ہے۔

اسی طرح شیخ عبد الرحمن بن سعدی نے کہا کہ تمباکو نوشی، اسکا تجارت کرنا اور اس پر مدد کرنا سب حرام ہے، کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے اگر کوئی استعمال کرتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ توبہ کرلے، کیونکہ یہ حرمت کے عمومی حکم میں داخل ہے، اسلئے کہ اس سے دینی، بدنی اور مالی ہر اعتبار سے نقصان ہے، اور ہر وہ چیز جو بندے کیلئے اسکے دین، بدن یا مال کیلئے نقصان دہ ہو اور اس میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ حرام ہے۔

شیخ مصطفی حمانی نے اپنی کتاب " النهضة الاصلاحية" کے ص ۴۸۶ پر کہا کہ جو شخص تمباکو نوشی کرتا ہے وہ اس پر اس قدر غالب ہوتا ہے کہ دیکھنے والا تعجب کرے گا کہ ایسا شخص اس کیلئے کسی کے بھی آگے ہاتھ پھیلا دے گا، اور یہ چیز میں اپنے تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کہہ رہا ہوں، حتی کہ ایسا شخص بھی ہاتھ پھیلا دیتا ہے جو سماج اور معاشرے کے اندر باوقار مانا جاتا ہے۔

تمباکو قطعی طور پر بدن کیلئے نقصان دہ ہے، اس سے عقل بھی متاثر ہوتی ہے، جہاں تک بدنی نقصان کا تعلق ہے تو اس اطباء کے اقوال بھرے پڑے ہیں، اور جہاں تک عقل کے متاثر ہونے کا

تعلق ہے تو جو یہ کہا جاتا ہے کہ پینے والے کو اس سے سکون ملتا ہے اور حزن وغم دور ہو جاتا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ حزن وغم کا تعلق عقل سے ہوتا ہے، پینے سے جب عقل پر پردہ پڑتا ہے تو وہ حزن وغم عقل سے ہٹ جاتے ہیں اور کچھ دیر کیلئے وہ انہیں بھول جاتا ہے اسی کو تسلی کہتے ہیں۔

استاذ محمد عبد الغفار ہاشمی افغانی نے تمباکو نوشی کی ۹۹ / بیماریاں گنائی ہیں اور ہر بیماری کی تفصیل بھی لکھی ہے جسے" مصائب الدخان" نامی رسالے میں جمع کر دیا ہے۔

اسی طرح مصنف نے تمباکو نوشی کے نقصان کو لیکر بہت سارے اطباء کے اقوال نقل کیا ہے۔

اسکے بعد بھی کیا کوئی انصاف پسند اسکی حرمت میں شک کرے گا سوائے اس ہٹ دھرم کے جسکے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔



۴-مردوں پرریشم کی حرمت

مصنف نے آگے ص ۶۵ / پر کہا:

(سونااورخالص ریشم مردوں پرحرام ہے)۔

تبصرہ:

ریشم کی حرمت کو خالص سے مقید کرنا اس سے لازم آتا ہے کہ جو ریشم خالص نہ ہو بلکہ اس میں کسی دوسرے دھاگے کی ملاوٹ ہو وہ حرام نہیں ہے، اور یہاں پر یہی غلطی ہے جو قابل ملاحظہ ہے، جو کہ بہت ہی واضح ہے، یہ مجمل ہے اسکی تفصیل ضروری ہے، چنانچہ وہ ریشم جو خالص نہیں ہوتا ہے وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا:

پہلی حالت:

اس میں ریشم کا غلبہ ہو، ایسی صورت میں یہ خالص ریشم کے حکم میں ہوگا۔

دوسری حالت:

جس میں ریشم مغلوب ہو، یعنی ریشم کے مقابلے دوسرے دھاگوں کی مقدار زیادہ ہو، ایسی صورت میں یہ جمہور کے نزدیک مردوں کیلئے بھی جائز ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۰ / ۲۹۴) میں اسی کو نقل کیا ہے، اسی طرح علامہ شوکانی نے بھی اپنی کتاب نیل الاوطار (۱ / ۹۴) میں نقل کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ ریشم کی حرمت پر جو حدیثیں گزری ہیں انہیں آپ نے جان لیا وہ ریشم خواہ الگ سے ہوں یا کسی کے ساتھ مخلوط ہوں، اس حرمت سے

صرف وہی چار انگشت مستثنٰی ہوں گے جسے شارع نے مستثنٰی کیا ہے، خواہ یہ کسی ایک ہی جگہ ہوں یا متفرق ہوں، اور جہاں تک درج ذیل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اس حدیث کا تعلق ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ:" إِنَّمَا نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمَتِ مِنَ الْحَرِيرِ فَأَمَّا الْعَلَمُ مِنَ الْحَرِيرِ وَسَدَى الثَّوْبِ، فَلَا بَأْسَ بِهِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کپڑے سے جو خالص ریشمی ہو منع فرمایا ہے، رہا ریشمی بوٹا اور ریشمی کپڑے کا تانا تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (سنن ابی داود:۴۰۵۵)۔

اسلئے یہ حدیثیں عموم کو خاص کرنے اور مطلق کو مقید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہیں۔ساتھ ہی انکے اندر ضعف بھی پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے استدلال بھی کمزور ہو جاتا ہے، دوسرے یہ کہ صحیح حدیثوں کے معارض بھی ہے، اللہ ابن دقیق العید پر رحم فرمائے جن کے ذریعے اللہ اس مسئلے میں امت کی حفاظت فرمائی کیونکہ امت غلطی پر جمع نہیں ہو سکتی۔



۵-داڑھی چھوڑنے کا حکم

مصنف نے آگے ص ۸۱ / پر کہا:

اسکے بعد مصنف نے آگے ص ۸۱ پر داڑھی چھوڑنے کے موضوع پر گفتگو کی ہے جس میں کئی جگہوں پر غلطیاں سرزد ہوئی ہیں:

پہلی غلطی:

مصنف نے کہا (داڑھی چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے کچھ کاٹا ہی نہ جائے، کیونکہ زیادہ لمبی ہونے ہر برا اور بھدا بھی لگنے لگتی ہے اور اس سے آدمی کو تکلیف بھی ہوتی ہے، اسلئے داڑھی کے طول وعرض سے کاٹ چھانٹ کر سکتے ہیں جیسا کہ سنن ترمذی میں وارد ہوا ہے، اور جیسا کہ بعض سلف کرتے تھے)۔

تبصرہ:

مصنف نے کہا: (داڑھی چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے کچھ کاٹا ہی نہ جائے)۔

میں کہوں گا کہ اللہ کی قسم! داڑھی چھوڑنے کا یہی مطلب ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں، اور ائمہ امت نے یہی مراد بھی لیا ہے۔

چنانچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم (۳ / ۱۹۴) کے اندر کہا کہ اور جہاں تک داڑھی چھوڑنے کا تعلق ہے تو اس سے مراد یہی ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے، اور حدیث کے لفظ (اوفوا) کا یہی مطلب ہے، اور فارسیوں کی عادت داڑھی کاٹنے کی تھی اسی لئے شارع نے اس سے منع کر دیا۔

آگے کہتے ہیں کہ داڑھی چھوڑنے کے تعلق سے کل پانچ طرح کے الفاظ وارد ہوئے ہیں: أوفوا، أعفوا، أرخوا، أرجوا، وفروا۔ ان سب کا مفہوم یہی ہے کہ داڑھی کو اسکی اپنی حالت پر چھوڑ دو، کیونکہ ان تمام احادیث کے الفاظ کا یہی تقاضہ ہے۔

اسی طرح سے علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار: ۱ / ۱۳۱ میں کہی ہے۔

مصنف نے کہا: (اسلئے داڑھی کے طول وعرض سے کاٹ چھانٹ کر سکتے ہیں، جیسا کہ سنن ترمذی میں وارد ہوا ہے)۔

میں کہوں گا کہ مصنف نے یہ بات جس حدیث کی بنیاد پر کہی ہے اس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وہ حدیث ضعیف جدا ہے، بلکہ بعض محدثین نے تو اسے موضوع کہا ہے، امام بخاری نے اسے منکر کہا ہے جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

اور علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (۱ / ۱۳۱) کے اندر سنن ترمذی کی اس روایت کو نقل کیا ہے جو اس طرح ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا "، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيل، يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ: مُقَارِبُ الْحَدِيثِ، لَا أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، أَوْ قَالَ: يَنْفَرِدُ بِهِ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا " لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُمَرَ بْنِ هَارُونَ۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

اپنی ڈاڑھی لمبائی اور چوڑائی سے لیا کرتے تھے۔

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو کہتے ہوئے سنا ہے: عمر بن ہارون مقارب الحدیث ہیں۔ میں ان کی کوئی ایسی حدیث نہیں جانتا جس کی اصل نہ ہو، یا یہ کہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں جانتا جس میں وہ منفرد ہوں، سوائے اس حدیث کے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض سے کچھ لیتے تھے۔ میں اسے صرف عمر بن ہارون کی روایت سے جانتا ہوں۔ (سنن ترمذی: ۲۷۶۲)۔

ابن حجر نے التقریب میں اسے متروک کہا ہے اسی لئے شوکانی نے کہا کہ اس بنیاد پر اس حدیث سے استدلال نہیں کرسکتے ہیں۔

شیخ البانی نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔

امام نووی نے المجموع شرح المھذب میں کہا کہ سنن ترمذی کی روایت ضعیف ہے، وہ قابل حجت نہیں ہے۔ (۱/ ۲۹۰)۔

مصنف نے کہا: (اور جیسا کہ بعض سلف کرتے تھے)۔

اس پر ہم کہیں گے کہ حجت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے نہ کہ اسکے مخالف قول۔ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار: ۱/ ۱۳۸ میں کہا کہ صاحب منتقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا جو یہ عمل ذکر کیا ہے کہ جب آپ حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی سے ایم قبضہ سے فاضل کو کاٹ دیتے تھے۔ تو اس روایت سے ضرور بعض اہل علم استدلال کرتے ہیں مگر مرفوع روایتوں کے سامنے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں کہ سلف امت میں سے اورکسی سے یہ کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ وہ اپنی داڑھی کو کاٹ چھانٹ کرتے تھے، بلکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول فعل کی روشنی میں عمل کرتے تھے، اور داڑھی کو چھوڑتے تھے۔

ہاں یہ صحیح ہیکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی سے ایک قبضہ چھوڑ کر کاٹ چھانٹ کرتے تھے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق طور پر داڑھی کو کاٹ چھانٹ کرسکتے ہیں، کیونکہ ابن عمر صرف اسی وقت ایسا کرتے تھے جب وہ حج یا عمرہ کرنے جاتے تھے، تو اس وقت سر منڈاتے تھے اور ساتھ میں داڑھی بھی ایک مشت سے زائد کاٹ دیتے تھے۔ہم مصنف سے مطالبہ کروں گا کہ اس ایک واقعے کے علاوہ کوئی اور واقعہ یا عمل ہو تو اس سے مطلع کریں، لیکن وہ ایسا پیش نہیں کرسکتے۔

دوسری غلطی:

مصنف نے کہا: (اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ داڑھی منڈانے کے تعلق سے تین اقوال ہیں: پہلا حرمت کا، اسی کو ابن تیمیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے، اور دوسرا کراہت کا، اسے ابن حجر نے فتح الباری میں عیاض سے نقل کیا ہے، اور اسے دوسرے کسی نے نقل نہیں کیا ہے، تیسرا قول اباحت کا ہے، اسے بعض معاصر علماء نے کہا ہے۔

اور شاید جو قول معتدل اور راجح ہے وہ کراہت کا ہے، کیونکہ وجوب کیلئے کوئی حدیث صراحت سے نہیں ہے گرچہ کفار کی مخالفت کر سبب بتایا گیا ہے، جس طرح کہ سفید بال کے رنگنے میں یہود ونصاری کی مخالفت کی بات وارد ہوئی ہے، جبکہ بعض صحابہ نہیں رنگتے تھے، پتہ چلا کہ حکم استحباب کیلئے

ہے۔اور یہ صحیح ہےکہ سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں ہیکہ وہ داڑھی منڈاتے تھے ممکن ہے اسکی وجہ یہ ہوکہ انہیں اسکی حاجت نہیں تھی، کیونکہ یہ انکی عادت نہیں تھی)۔

تبصرہ:

ہم کہیں گےکہ مصنف کا کراہت والے قول کو راجح کہنا باطل ہے اس پر کوئی دلیل ترجیح نہیں ہے، جو صحیح دلیلیں ہیں اسکے خلاف ہیں، بلکہ واضح دلالت کرتی ہیں کہ پہلا حرمت والا قول ہی صحیح ہے۔ ابن حزم نے رسالہ مراتب الاجماع ص ۱۵۷ پر کہا کہ سلف کااس بات پر اتفاق ہیکہ داڑھی منڈانا مثلہ ہے جو بالکل جائز نہیں ہے۔اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ صحیح احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ داڑھی منڈانا حرام ہے،اسے کسی نے جائز نہیں کہا ہے۔

اور جہاں تک مصنف کا داڑھی بڑھانے کو بال رنگنے پر قیاس کرنے کی بات ہے اور یہ ثابت کرنا کہ دونوں مستحب عمل ہے، تو یہ قیاس باطل ہے، کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ داڑھی بڑھانے کے حکم سے استحباب کی طرف پھیرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ برخلاف بال رنگنے کے کہ اسکے لئے دلیل صارف موجود ہے جیسا کہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم (۱۴/ ۸۰) کے اندر کہا کہ اس تعلق سے جو بھی امر اور نہی وارد ہوا ہے وہ اجماعی طور پر وجوب کیلئے نہیں ہے، اسی لئے اس مسئلے میں کسی کا اختلاف وارد نہیں ہے اور نہ ہی کسی نے کسی پر نکیر کی ہے خواہ کوئی رنگے یا نہ رنگے۔

اسی لئے ہم بھی کہتے ہیں کہ داڑھی چھوڑنے میں صرف کفار کی مخالفت ہی دلیل اور علت نہیں ہے، جیسا کہ بال رنگنے میں بتایا گیا ہے، بلکہ داڑھی چھوڑنے کو فطرت میں بھی شمار کیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا ہے، اسی طرح صحابہ اور تابعین نے داڑھی چھوڑنے کے حکم کے

مدلول میں کوئی اختلاف نہیں کیا ہے، جبکہ بال رنگنے کے حکم کے مدلول میں اختلاف موجود ہے، اس طرح دونوں میں کئی وجوہ سے فرق ظاہر ہے، اوراس طرح بال رنگنے پر قیاس کرنا باطل ہوگیا۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ (سلف میں سے کسی سے یہ منقول نہیں ہیکہ وہ داڑھی منڈاتے تھےممکن ہے اسکی وجہ یہ ہوکہ انہیں اسکی حاجت نہیں تھی، کیونکہ یہ انکی عادت نہیں تھی)۔

یہ تعلیل اورتوجیہ بھی باطل ہے، اس پر ہم یہی کہیں گےکہ انکا داڑھی نہ منڈانا اس بات پر دلالت کرتا ہیکہ یہ عمل انکے یہاں جائز نہیں تھا، وہ داڑھی کی تعظیم کرتے تھے، جیسا کہ قیس بن سعد کے واقعے میں وارد ہوا ہے کہ قیس بن سعد کی داڑھی نہیں تھی تو انصار کہنے لگے :((نعم السیّد قیس ولکن لا لحیته فو الله لو کانت اللحیة تشتری بالدراهم لاشترینا له لحیة لیکمل رجلا)) ترجمہ:"قیس ہر اعتبار سے بہترین سردار ہے، لیکن اس کی داڑھی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! اگر داڑھی دراہم سے بکتی ہوتی تو ہم اس کو خرید کر دیتے تا کہ وہ مکمل مرد بن جاتا۔"

یہ ہمارے سلف کا حال ہیکہ وہ داڑھی کی بے حد تعظیم کرتے ہیں، اوراسے مردانگی کی علامت سمجھتے تھے، حتی کہ فقہاء نے داڑھی کے متعلقہ مسائل کو بڑی اہمیت دی اوراپنی کتابوں میں انہیں بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد اورابوحنیفہ اورثوری فرماتے ہیں:((إن اللحیة إذا جنی علیها فأزیلت بالکلیة ولم ینبت شعرها فعلی الجانی دیة کاملة کما لو قتل صاحبها))"جب داڑھی پرظلم کرتے ہوئے اس کو بالکل زائل کر دیا جائے اور بال نہ اگیں تو جانی پر (جس نے ظلم کیا) پوری دیت ہوگی جیسا کہ اگر اس نے اس داڑھی والے کو قتل کیا تو دیت ہوگی۔"

ان سب کے بعد ہم کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام نہیں ہے؟!



۶- ماکول اللحم جانور کو بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرنے کا حکم

مصنف نے آگے ص ۴۸ / پر کہا:

مصنف نے اہل کتاب کے ذبیحوں کے موضوع پر ص ۴۸ پر کہا: (دوسرا مسئلہ یہ ہیکہ کیا انکے ذبیحہ میں بھی یہی شرط لگائی جائے گی کہ حلق کی رگ کو کسی دھاردار چیز سے کاٹا جائے؟ تو یہ شرط اکثر علماء نے لگائی ہے، لیکن کچھ مالکی علماء نے فتوی دیا ہے کہ یہ کوئی شرط نہیں ہے، قاضی ابن العربی نے سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ واضح دلیل ہیکہ شکار اور اہل کتاب کا کھانا پاک ہے، اور یہ مطلق طور پر حلال ہے، اللہ نے اسے مکرر بیان کیا ہے تا کہ شبہ نہ رہے، مجھ سے ایک بار سوال کیا گیا ایک نصرانی کے بارے میں جو مرغی کی گردن مروڑ کر مار دیتا ہے پھر اسے پکاتا ہے تو کیا اسکا کھانا جائز ہے تو میں نے کہا کہ اسے کھا سکتے ہیں، کیونکہ یہ اسکا کھانا ہے، گرچہ یہ ہمارے جیسا ذبیحہ نہیں ہے، مگر اللہ نے انکا کھانا ہمارے لئے مطلق طور پر جائز کیا ہے، وہ اپنے دین کے اعتبار سے جو جائز سمجھتے ہیں ویسا کریں گے وہ ہمارے لئے حلال ہے، سوائے ان چیزوں کے جنہیں اللہ نے جھٹلا دیا ہے۔ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو ہمیں بطور بیوی کے دیتے ہیں اور ہمارے لئے وہ جائز ہوتی ہیں تو ہم انکا ذبیحہ کیوں نہیں کھائیں گے، جبکہ حلت اور حرمت میں ذبیحہ کا معاملہ جماع سے کہیں زیادہ کم تر ہے۔

یہ ابن العربی نے ثابت کیا ہے اور دوسری جگہ کہا کہ اگر وہ ذبیحہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اپناتے ہیں جیسے گلا گھونٹ دیں یا توڑ دیں اور ذبح کرنا مقصد نہ ہو تو وہ حرام ہوگا۔

مصنف قرضاوی نے کہا کہ دونوں قول میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ انکی مراد یہی ہے کہ وہ جسے ذبیحہ سمجھتے ہیں وہ ہمارے لئے حلال ہے گرچہ وہ ہمارے ذبیحہ کی طرح نہ ہو، اور جسے وہ ذبیحہ نہ

سمجھتے ہوں وہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے، چنانچہ یہاں ذبیحہ میں جو مفہوم مشترک ہے وہ یہ ہیکہ جانور کا روح نکالنا اسے کھانے کے مقصد سے، اور یہی مالکیہ کا رسم مذہب ہے۔

مذکورہ اقوال کی روشنی میں ہم ان گوشتوں کا حکم بھی جان سکتے ہیں جو اہل کتاب کے یہاں سے درآمد کئے جاتے ہیں، جیسے مرغی اور گائے کا گوشت، جنہیں بجلی کے کرنٹ کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر وہ اسے حلال ذبیحہ سمجھتے ہیں تو وہ ہمارے لئے حلال ہوگا جیسا کہ آیت کا عموم دلالت کرتا ہے)۔

تبصرہ:

یقینا مصنف نے ان تمام درآمد گوشتوں کو حلال بنانے کی کوشش کی ہے جو شرعی طریقے سے ذبح نہ کئے گئے ہوں، اس پر ہم کئی وجوہات سے جواب دے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

مصنف نے ابن العربی کے کلام میں تصرف سے کام لیا ہے، کچھ الفاظ کا اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے اور کچھ کو نکال دیا ہے، اور کچھ کلمات کے اندر رد و بدل سے کام لیا ہے، اور یہ عمل امانت علمیہ اور خشیت الہی کے خلاف ہے، اور یہ وضاحت جو میں نے کی ہے آپ کو بھی پتہ چل جائے گا جب آپ اصل عبارت سے موازنہ کریں گے، اور وہ درج ذیل جگہیں ہیں:

پہلی جگہ:

ابن العربی نے کہا: (وہ ہمیں اپنی اولاد و ذریت اور عورتوں کو صلح ومعاہدے کے وقت بطور ملکیت کے دیتے ہیں) اور قرضاوی نے لکھا ہے: (وہ اپنی عورتوں کو ہمیں بطور بیوی کے دیتے

ہیں)۔

مصنف نے یہاں پر اصل عبارت سے دو اہم کلمات کو حذف کر دیا ہے یعنی اولاد ذریت اور صلح ومعاہدہ۔اور ملکیت کے لفظ کو بیوی کے لفظ سے بدل دیا ہے۔

دوسری جگہ:

ابن العربی نے کہا:(اگر یک اعتراض کیا جائے کہ اگر وہ ذبیحہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اپناتے ہیں جیسے گلا گھونٹ دیں یا توڑ دیں تو اسکا جواب یہی ہیکہ یہ مردار ہوگا جوکہ نص صریح کی روشنی میں حرام ہے، وہ گرچہ اسے کھاتے ہیں لیکن ہم اسے نہیں کھائیں گے، وہ ہمارے لئے خنزیر جیسا ہوگا، وہ انکے لئے تو حلال ہوگا مگر ہمارے لئے وہ حرام ہوگا)۔

اور قرضاوی نے اسی عبادت کو اس طرح درج کیا ہے: (اگر وہ ذبیحہ کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ اپناتے ہیں جیسے گلا گھونٹ دیں یا توڑ دیں اور ذبح کرنا مقصد نہ ہو تو وہ حرام ہوگا)۔

آپ دونوں عبارتوں کا موازنہ کریں پائیں گے کہ مصنف نے ایک جگہ اپنی طرف سے عبارت کا اضافہ کیا ہے یعنی (ذبح کرنا مقصد نہ ہو) اور (نص صریح) کے الفاظ سے لیکر آخر تک حذف کر دیا ہے: (جوکہ نص صریح کی روشنی میں حرام ہے، وہ گرچہ اسے کھاتے ہیں لیکن ہم اسے نہیں کھائیں گے، وہ ہمارے لئے خنزیر جیسا ہوگا، وہ انکے لئے تو حلال ہوگا مگر ہمارے لئے وہ حرام ہوگا)۔

شاید مصنف نے ابن العربی کی اس عبارت کو اسلئے حذف کر دیا ہے تا کہ اپنے فتوے کے مطابق انکے قول کو منطبق کرسکیں، کیونکہ پوری عبارت نوٹ کرنے کی صورت میں بجلی کے کرنٹ کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کے جواز اور عدم جواز کو لیکر واضح تناقض نظر آجاتا۔

دوسری وجہ:

خود ابن العربی کا کلام بھی متناقض ہے، کیونکہ آپ نے ایک جگہ اہل کتاب کے ذبیحہ کو حرام مانا ہے اگر وہ شرعی طریقے سے ذبح نہ کئے گئے ہوں اور یہ صحیح ہے بلکہ شرعی دلائل کی روشنی میں واضح ہے اور اسی میں وہ جانور بھی آجائے گا جسکی گردن مروڑ کر ذبح کیا جاتا ہے، اور ابن العربی نے خود گلا گھونٹ کر مرنے کی مثال یہی دی ہے کہ جیسے کوئی اسکی گردن مروڑ دے۔ اس سے بھی قرضاوی کا وہ زائد عبارت باطل ہو جاتی ہے جس میں یہ کہا ہے کہ ذبیحہ کی نیت نہ ہو۔

پھر ابن العربی اپنے اس کلام کو اپنے ہی دوسرے کلام سے توڑ رہے ہیں یہ کہہ کر کہ (مجھ سے ایک بار سوال کیا گیا ایک نصرانی کے بارے میں جو مرغی کی گردن مروڑ کر مار دیتا ہے پھر اسے پکاتا ہے تو کیا اسکا کھانا جائز ہے تو میں نے کہا کہ اسے کھا سکتے ہیں، کیونکہ یہ اسکا کھانا ہے، گرچہ یہ ہمارے جیسا ذبیحہ نہیں ہے)۔

سوال یہ ہیکہ ابن العربی کا کون سا قول معتبر مانا جائے گا؟ بلا شبہ پہلا قول معتبر مانا جائے گا کیونکہ وہی دلیل کے موافق ہے، اور قرضاوی نے اپنی کتاب کے مقدمے میں یہ کہا ہے کہ میں تمام مسائل میں کسی خاص مذہب کی تقلید نہیں کروں گا خواہ وہ درست ہو یا خطا۔ پھر آخر اس مسئلے میں کیوں اپنے ہی اصول کو بھول گئے اور ایک غلط قول میں ابن العربی کی تقلید کرنے لگے، جو کہ ایک متناقض قول ہے؟! حقیقت یہ ہیکہ قرضاوی نے پہلے بجلی کے کرنٹ کے جھٹکے وغیرہ سے ذبیحہ کے حلال کا فتوی دیا ہے پھر اسی لئے دلیل تلاش کی ہے اور اتفاق سے ابن العربی کا یہ متناقض قول انہیں مل بھی گیا اور اسی کو اپنے فتوے کی بنیاد بنالی۔

تیسری وجہ:

مصنف نے کہا: (چنانچہ یہاں ذبیحہ میں جو مفہوم مشترک ہے وہ یہ ہیکہ جانور کا روح نکالنا اسے کھانے کے مقصد سے)۔

یہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ جانور کہ روح کسی بھی طریقے سے اگر نکال دی جائے تو اسکا کھانا حلال ہوگا، اور شرعی ذبیحہ ثابت ہو جائے گا، بلکہ بدن کے کسی بھی حصے سے خون نکال دیں اور روح نکل جائے، جبکہ یہ واضح غلطی ہے، کیونکہ شرعی ذبیحہ کا مخصوص طریقہ، مخصوص آلہ، مخصوص جگہ اور مخصوص صفت ہے، جیسا کہ علمائے امت نے بیان کیا ہے، چنانچہ خود ابن العربی نے سورہ مائدہ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے شرعی ذبیحہ کی وضاحت کی ہے کہتے ہیں: (شریعت میں ذبیحہ کہتے ہیں خون بہانے کو، جانور کے شہہ رگ کے کاٹنے کو خواہ یہ نحر ہو یا عقر ہو، ساتھ ہی اس میں ذبح کی نیت بھی ہو۔

اس کے بعد آگے کہتے ہیں کہ یہاں مقصود گرچہ خون بہانا ہے مگر یہ ایک عبادت بھی ہے جس کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کیا جاتا ہے، کیونکہ دور جاہلیت میں لوگ ذبیحوں سے اپنے بتوں اور باطل معبودان کا تقرب حاصل کرتے تھے، اور غیر اللہ کے نام پر خون بہاتے تھے، چنانچہ اللہ نے اسے اپنی طرف پھیرنے کا حکم دیا اور یہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسکے لئے نیت اور مخصوص محل ہونی چاہئے، اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کرتے وقت حلق کو کاٹا ہے اور لبہ میں نحر کیا ہے، اور فرمایا کہ (الذَّكَاةُ إِلَّا فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ) ترجمہ: ذبح (شرعی) صرف حلق اور لبہ ہی میں ہوگا۔ مزید اسکے فائدے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو خون بہائے اور اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھالو، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا لَاقُو الْعَدُوِّ غَدًا وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى، قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَعْجِلْ أَوْ أَرِنِي مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ،

فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ ". قَالَ: وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ لِهَذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ، فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا ".

ترجمہ: سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہم کل دشمن سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جلدی کر یا ہوشیاری کر جو خون بہائے اور اللہ کا نام لیا جائے اس کو کھا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تجھ سے کہوں گا اس کی وجہ یہ ہے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں۔“ راوی نے کہا: ہم کو لوٹ میں ملے اونٹ اور بکری پھر ان میں سے ایک اونٹ بگڑ گیا، ایک شخص نے اس کو تیر سے مارا وہ ٹھہر گیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ان اونٹوں میں بھی بعض بگڑ جاتے ہیں اور بھاگ نکلتے ہیں۔ جیسے جنگلی جانور بھاگتے ہیں پھر جب کوئی جانور ایسا ہو جائے تو اس کے ساتھ یہی کرو۔“ (صحیح مسلم: ۱۹۶۸)۔

لیکن اگر اسے پورا نہ کیا جائے اور نہ ہی نیت ہو اور نہ ہی کوئی شرط پوری ہو اور نہ ہی مخصوص جگہ کا خیال ہو تو پھر عبادت کی صورت ختم ہو جائے گی۔

ابن قدامہ نے المغنی کے اندر شرعی ذبیحے کس محل بتاتے ہوئے کہا کہ اور جہاں تک محل کا تعلق ہے تو یہ حلق اور لبہ ہے، جو کہ گردن اور سینے کے درمیان ہوتا ہے، اسکے علاوہ کسی دوسری جگہ سے خون بہانے پر بالاتفاق شرعی ذبیحہ نہیں مانا جائے گا۔

چوتھی وجہ:

بجلی کے کرنٹ کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کئے ہوئے گوشت کو مصنف کے ذریعے حلال کرنے کا فتوی باطل ہے، کیونکہ یہ ذبیحہ شرعی نہیں ہے، خواہ اس طریقے پر کوئی مسلمان ہی کیوں نہ ذبح کرے پھر بھی وہ حلال نہیں ہوگا، پھر اس طریقے سے ایک غیر مسلم کا ذبیحہ تو بدرجہ اولی حلال نہیں ہوگا، کیونکہ اس میں شرعی ذبیحے کے پورے شرائط نہیں پائے جاتے۔

اور مصنف کا یہ فتوی ابن العربی کے دوسرے غلط قول پر مبنی ہے جس کا بطلان واضح ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن بن جاسر نے اپنی کتاب المناسک (۲/ ۲۱۹) میں نقل کیا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اسی وقت حلال ہوگا جب وہ ذبیحہ کے شروط کے مطابق صحیح کیا ہو، لیکن اگر کیل سے مار کر یا سر پر پھاوڑا امار کر یا بجلی کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کیا گیا ہو جیسا کہ اس وقت بعض نصاری کرتے ہیں تو اس طرح کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، کیونکہ اس طریقے سے جان نکالنے کو ذبیحہ نہیں کہیں گے، اسی لئے وہ حلال نہیں ہے، بلکہ اسکا حکم کردار کا ہوگا، جو کہ حرام ہے۔ واللہ اعلم۔

اور مصنف نے کہا: (چنانچہ اگر وہ اسے حلال ذبیحہ سمجھتے ہیں تو وہ ہمارے لئے حلال ہوگا جیسا کہ آیت کا عموم دلالت کرتا ہے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ انکا وہ کھانا ہم اسے لئے حلال ہے جسے وہ حلال سمجھتے ہوں بلکہ ان کا وہ کھانا ہمارے لئے حلال ہے جسے اللہ نے ہمارے لئے حلال کیا ہے، اور مصنف نے یہ بات ابن العربی کے جس قول کی روشنی میں کہی ہے وہ اسکے خلاف ہے، بلکہ میری رائے کی تائید میں ہے، کیونکہ آپ نے یہ قید لگا دی ہے کہ وہ اپنے دین میں اس ذبیحے کو حلال سمجھتے

ہوں اور اللہ نے انہیں اس میں جھٹلایا نہ ہو اور یہ انکے علماء اور راہبوں کا کھانا ہو، پھر سوال یہ ہیکہ کیا بجلی کے کرنٹ کے جھٹکے وغیرہ سے ذبح کرنے کو وہ اپنے دین میں حلال سمجھتے ہیں؟ اور کیا اسے انکے علماء اور راہب کھاتے ہیں اور کیا اللہ نے اسے جھٹلایا نہیں ہے؟ یہ سب مصنف کو پہلے ثابت کرنا ہوگا۔



۷-تصویرکشی کا حکم

مصنف نے آگے ص ۷۲ / پر کہا:

مصنف نے ص ۷۲ سے ص ۸۲ تک تصویرکشی کے موضوع کو لیکر بحث کیا ہے اور کئی جگہوں پر غلطی کی ہے جسے درج ذیل میں بیان کیا جا رہا ہے:

پہلی غلطی:

تصویرکشی کو مصنف نے درج ذیل تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱-حرام، جیسے مجسمہ بنانا۔

۲-مکروہ تنزیہی، جیسے اوراق، دیوار اور تختیوں پر نقش اور تصویرکشی کرنا۔

۳-جائز، جیسے کہ فوٹو گرافی تصویر۔

تبصرہ:

تو یہ تقسیم باطل ہے، جسے وہ دلیلیں باطل ٹھہراتی ہیں جن میں تصویرکشی کی حرمت وارد ہوئی ہے، اور جن میں مطلق طور پر تصویر کے استعمال کی حرمت آئی ہے، خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ ہو، منقوش ہو یا فوٹو گرافی ہو۔ اگر کوئی مذکورہ تفصیل کا دعویدار ہے مصنف کی طرح تو اسے اس پر دلیل پیش کرنا پڑے گا، جبکہ ہم اسکے خلاف ذیل میں چند ائمہ دین کے اقوال پیش کرتے ہیں:

ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین: ۴ / ۴۰۳ میں کبائر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اسی میں ذی روح کی تصویر بھی ہے خواہ اسکا سایہ ہو یا نہ ہو۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم: ۱۴/ ۱۸ا کے اندر تصویر کشی کی حرمت بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ اسکا سایہ ہو یا نہ ہو۔ یہی ہمارے مذہب کا خلاصہ ہے، اور یہی صحابہ تابعین اور بعد کے جمہور علماء نے بھی کہا ہے، بلکہ یہی مذہب ثوری، مالک اور ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی ہے، جبکہ بعض سلف نے کہا ہیکہ منع صرف وہی ہے جسکا سایہ ہو، جبکہ یہ باطل مذہب ہے، کیونکہ جس پردے پر بنی تصویروں پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی تھی بلا شبہ اسکا سایہ نہیں تھا، اور ساتھ ساری حدیثیں مطلق ہیں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱۰/ ۳۸۴ میں امام نووی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ میں کہتا ہوں کہ خواہ کسی کا سایہ ہو یا نہ ہو سب کیلئے عمومیت پر دلالت کرنے والی حدیثوں میں سے مسند احمد کی یہ حدیث بھی ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَنْطَلِقُ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلَا يَدَعُ بِهَا وَثَنًا إِلَّا كَسَرَهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّاهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَّخَهَا فَقَالَ رَجُلٌ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ فَهَابَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ فَرَجَعَ فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَا أَنْطَلِقُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَانْطَلِقْ فَانْطَلَقَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ أَدَعْ بِهَا وَثَنًا إِلَّا كَسَرْتُهُ وَلَا قَبْرًا إِلَّا سَوَّيْتُهُ وَلَا صُورَةً إِلَّا لَطَّخْتُهَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ لِصَنْعَةِ شَيْءٍ مِنْ هَذَا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَا تَكُونَنَّ فَتَّانًا وَلَا مُخْتَالًا وَلَا تَاجِرًا إِلَّا تَاجِرَ الْخَيْرِ فَإِنَّ أُولَئِكَ هُمُ الْمَسْبُوقُونَ بِالْعَمَلِ.

ترجمہ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں شریک تھے، اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون شخص مدینہ منورہ جائے گا کہ وہاں جا کر کوئی بت ایسا نہ چھوڑے جسے اس نے توڑ نہ دیا ہو، کوئی قبر ایسی نہ چھوڑے جسے برابر نہ کر دیا، اور کوئی تصویر ایسی نہ دیکھے جس پر گارا اور کیچڑ نہ مل دے؟ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں یہ کام کروں گا، چنانچہ وہ آدمی روانہ ہو گیا لیکن جب مدینہ منورہ پہنچا تو وہ اہل مدینہ سے مرعوب ہو کر واپس لوٹ آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں جاتا ہوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی، چنانچہ جب وہ واپس آئے تو عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے جہاں بھی کسی نوعیت کا بت پایا اسے توڑ دیا، جو قبر بھی نظر آئی اسے برابر کر دیا اور جو تصویر بھی دکھائی دی اس پر کیچڑ ڈال دیا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جو شخص ان کاموں میں سے کوئی کام دوبارہ کرے گا گویا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ وحی کا انکار کرتا ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے یا شیخی خورے مت بننا، صرف خیر ہی کے تاجر بننا، کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جن پر صرف عمل کے ذریعے ہی سبقت لے جانا ممکن ہے۔ (مسند احمد: ۱/ ۸۷)۔

اسی طرح ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ : " أَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ، فَعَرَفْتُ أَوْ فَعُرِفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةُ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتُوبُ إِلَى اللَّهِ وَإِلَى رَسُولِهِ فَمَاذَا أَذْنَبْتُ؟، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَا بَالُ هَذِهِ النُّمْرُقَةِ؟ "، فَقَالَتْ: اشْتَرَيْتُهَا لَكَ تَقْعُدُ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

" إِنَّ أَصْحَابَ هَذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُونَ وَيُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ ". ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے ایک گدا خریدا جس میں تصویریں تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے پر کھڑے ہو رہے اور اندر نہ گئے میں نے پہچان لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر رنج ہے۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں توبہ کرتی ہوں اللہ اور اس کے رسول کے سامنے، میرا کیا گناہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ گدا کیسا ہے؟" میں نے کہا: اس کو میں نے خریدا ہے آپ کے بیٹھنے اور تکیہ لگانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنہوں نے یہ تصویریں بنائیں ان کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا ان میں جان ڈالو۔" پھر فرمایا: "جس گھر میں تصویریں ہوں وہاں فرشتے نہیں آتے۔" (صحیح مسلم: ۲۱۰۷)۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱۰/ ۳۹۰ میں کہا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تصویر کشی کی حرمت میں کوئی فرق نہیں ہے خواہ جس کا سایہ ہو یا نہ ہو، یا جو منقوش ہو یا منسوخ یا پھر کندہ کیا ہوا۔

اسی طرح علامہ شوکانی نے نیل الاوطار: ۲/ ۱۰۸ پر ابن عمر کی یہ روایت نقل کی ہے:

عن ابْنَ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " الَّذِينَ يَصْنَعُونَ الصُّوَرَ يُعَذَّبُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُمْ أَحْيُوا مَا خَلَقْتُمْ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لوگ مورتیں بناتے ہیں ان کو قیامت میں عذاب ہوگا ان سے کہا جائے گا جلاو ان کو جن کو تم نے

بنایا۔" (صحیح مسلم: ۲۱۰۸)۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بھی نقل کی ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ، قال: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي رَجُلٌ أُصَوِّرُ هَذِهِ الصُّوَرَ فَأَفْتِنِي فِيهَا؟ فَقَالَ لَهُ: ادْنُ مِنِّي فَدَنَا مِنْهُ، ثُمَّ قَالَ: ادْنُ مِنِّي فَدَنَا حَتَّى وَضَعَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ، قَالَ: أُنَبِّئُكَ بِمَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يَجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَتُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ "، وقَالَ: إِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ، وَمَا لَا نَفْسَ لَهُ فَأَقَرَّ بِهِ نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ.

ترجمہ: سعید بن ابی الحسن سے روایت ہے، ایک شخص عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں تصویر بنانے والا ہوں تو اس کا کیا حکم ہے بیان کیجئیے مجھ سے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میرے پاس آ۔ وہ گیا، پھر انہوں نے کہا: پاس آ۔ وہ اور پاس گیا یہاں تک کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور کہا: میں تجھ سے کہتا ہوں وہ جو میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "ہر ایک تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا اور ہر ایک تصویر کے بدل ایک شخص جاندار بنایا جائے گا جو تکلیف دے گا اس کو جہنم میں۔" اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تو نے ایسا ہی بنانا ہے تو درخت کی یا کسی اور بے جان چیز کی تصویر بنا۔(صحیح مسلم: ۲۱۱۰)۔

اس کے بعد دونوں روایتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ دونوں حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں تصویر کشی سخت ترین محرمات میں سے ہے، جس پر کہ دوزخ کی دھمکی دی گئی ہے، اور یہ کہا گیا

ہے کہ ہر تصویر بنانے والا دوزخی ہے، ساتھ ہی دوسری حدیثوں میں تصویر بنانے والوں پر لعنت بھیجی گئی ہے اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز بہت ہی سخت قبیح اور حرام ہو، اور آگے کہا کہ تصویر خواہ منقوش ہو یا جسم والا ہو سب برابر ہے۔ اسکی تائید عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کر رہی ہے، پھر آگے اسی معنی کی کئی حدیثوں کو ذکر کیا پھر کہا کہ یہ ساری حدیثیں عام ہیں کسی کیلئے کوئی تخصیص نہیں ہے، کیونکہ سب پر تصویر کہنا صادق آتا ہے۔ انتہی۔

مذکورہ احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے مصنف کا یہ دعوی باطل ہو جاتا ہے کہ کوئی ایسا صحیح صریح نص جو معارضے سے خالی ہو نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ کپڑوں، بستروں، دیواروں اور تختیوں میں منقش تصویر حرام ہے، اسی طرح فوٹو گرافی تصویر کے جواز کا دعوی بھی باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں منقش تصویروں کے مقابلے تخلیق کی مشابہت کہیں زیادہ پائی جاتی ہے اسلئے اسکی حرمت مزید سخت ہوگی۔

شیخ مصطفی حمانی نے اپنی کتاب النھضۃ الاصلاحیۃ کے ص ۲۶۴ پر کہا کہ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ فوٹو گرافی تصویر بالکل ہاتھ سے بنائی گئی تصویر کی طرح ہے، ایک مسلمان کیلئے دونوں حرام ہے، اور جو اسے جائز کہتا ہے یہ کہہ کر کہ اس میں ہاتھ کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ اسی طرح ہے جو کسی شیر کو کسی پر چھوڑ دے یا کسی کو زہر پلا دے یا کسی پر بجلی کا کرنٹ چھوڑ دے اور اسکی موت ہو جائے پھر جب اس پر قتل کا الزام لگایا جائے تو وہ بڑی معصومیت سے کہہ دے کہ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اسے تو شیر نے یا زہر نے یا کرنٹ نے مارا ہے۔ میرے اوپر الزام اس وقت آتا جب میں نے اسے ہاتھ سے مارا ہوتا۔ لیکن اس سے کہا جائے گا کہ چونکہ تم قتل کا سبب بنے ہو خواہ قتل کیلئے کوئی بھی وسیلہ اختیار کرو اسلئے اس کی سزا تم ہی کو ملے گی، گرچہ اپنے ہاتھ سے قتل نہ کیا ہو، یہی معاملہ تصویر کشی کا

ہے، مقصد تصویر بننا ہے، مسئلہ تصویر کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ تصویر دیکھ کر آیا تھا، اور فرشتوں نے آپکو یہ خبر دی تھی کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویروں میں کوئی فرق نہیں کیا ہے، بلکہ اسکا ذی روح ہونا کافی ہے کہ جسکے بارے میں روح ڈالنے کیلئے کہا جائے گا، لیکن جہاں تک جمادات و نباتات کا تعلق ہے تو اسکے بارے میں نہیں کہا جائے گا۔

اور فوٹو گرافی تصویر کے اندر بھی ہاتھ کا بہت دخل ہوتا ہے جس میں اسکی صفائی اور درستگی کیلئے ہاتھ ہی کا استعمال کیا جاتا ہے، اگر یہ سارے اعمال انجام نہ دیئے جائیں تو تصویر بالکل صاف اور واضح نہیں ہوگی۔

بلکہ آپ اس تصویر کے بارے میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس پر مزید کئی گنا سزا مل سکتی ہے کیونکہ کیونکہ مشین سے تصویر ہاتھ کے مقابلے کئی گنا زیادہ بنا سکتے ہیں اور گناہ مقدار کے حساب سے بڑھتا رہتا ہے، کیونکہ یہاں پر ایک تصویر کی بہت ساری کاپی کی جاتی ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشین سے ایک ہی ساتھ ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کی تصویر بنالی جاتی ہے جیسے کہ کسی مجمع کی تصویر یا کسی بھیڑ کی تصویر۔ چنانچہ تصاویر کے بڑھنے سے گناہ اور عذاب میں اضافہ ہی ہوگا۔ انتہی۔

مصنف اور انکے جیسے جو لوگ فوٹو گرافی تصویر کو جائز کہتے ہیں ان پر بہترین رد ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ نے اپنے ایک رسالے میں کہا کہ ایک بڑے منکرات میں سے ذی روح چیزوں کی تصویر کشی کرنا اور اسے استعمال کرنا ہے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اسے ہاتھ سے کسی ورق پر بنایا جائے یا مشین سے بنایا جائے۔ انتہی۔

حدیثوں کے الفاظ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب عام ہیں پھر یہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ

بعض تصویریں حرام ہیں اور بعض مکروہ اور بعض جائز؟!

دوسری غلطی:

ایک حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ صُورَةٌ". قَالَ بُسْرٌ: ثُمَّ اشْتَكَى زَيْدٌ , فَعُدْنَاهُ، فَإِذَا عَلَى بَابِهِ سِتْرٌ فِيهِ صُورَةٌ، قُلْتُ لِعُبَيْدِ اللَّهِ الْخَوْلَانِيِّ: أَلَمْ يُخْبِرْنَا زَيْدٌ عَنِ الصُّورَةِ يَوْمَ الْأَوَّلِ؟ قَالَ: قَالَ عُبَيْدُ اللَّهِ: أَلَمْ تَسْمَعْهُ يَقُولُ:" إِلَّا رَقْمًا فِي ثَوْبٍ".

ترجمہ: زید بن خالد سے مروی ہے کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر (مجسمہ) ہو“۔ بسر کہتے ہیں: پھر زید بیمار پڑ گئے تو ہم نے ان کی عیادت کی، اچانک دیکھا کہ ان کے دروازے پر پردہ ہے جس میں تصویر ہے، میں نے عبیداللہ خولانی سے کہا: کیا زید نے ہمیں تصویر کے بارے میں پہلے روز حدیث نہیں سنائی تھی؟ کہا: عبیداللہ نے کہا: کیا تم نے انہیں یہ کہتے ہوئے نہیں سنا: کپڑے کے نقش کے سوا۔ (سنن نسائی: ۵۳۵۲)۔

اسی روایت میں موجود استثنی (کپڑے کے نقش کے سوا) سے استدلال کرتے ہوئے مصنف نے مجسمہ کے سوا دوسرے کو حرام نہیں ٹھہرایا ہے، امام نووی نے شرح صحیح مسلم: ۱۴/ ۸۵ کے اندر اسکا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں وہ تصویر مراد ہے جو ذی روح نہ ہو اور کپڑوں پر نقش ہو جیسے

کہ پھول بوٹا، اور یہ چیز ہمارے یہاں بھی جائز ہے۔ انتہی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا کہ یہ بھی احتمال ہیکہ یہ حرمت سے پہلے رہا ہو جیسا کہ ابو ہریرہ کی حدیث دلالت کرتی ہے جو سنن کے اندر مروی ہے۔

اور شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے" الجواب المفید فی حکم التصویر" کے اندر کہا کہ جہاں تک ابو طلحہ اور سہل بن حنیف کی روایت کا تعلق ہے جس میں (کپڑے کے نقش کے سوا) کے الفاظ پائے جاتے ہیں تو اس سے وہ تصویریں مراد ہیں جن کی وجہ سے فرشتے گھروں میں داخل نہیں ہوتے، اس سے تصویر کشی کرنا مراد نہیں ہے، اور یہ چیز سیاق و سباق سے واضح ہے۔ اور اسکا مطلب یہ ہیکہ بستروں پر وہ تصویریں جن بیٹھا جاتا ہو جسکی کوئی حرمت نہ ہو، جیسے کہ تکیہ وغیرہ، جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جس میں تصویر کو کاٹ دیا گیا تھا، اور اسے دو تکیہ بنا دیا گیا تھا، جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام، فَقَالَ لِي: أَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ، فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِي فِي الْبَيْتِ يُقْطَعُ فَيَصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ، وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ فَلْيُجْعَلْ مِنْهُ وِسَادَتَيْنِ مَنْبُوذَتَيْنِ تُوطَآنِ وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِذَا الْكَلْبُ لِحَسَنٍ أَوْ حُسَيْنٍ كَانَ تَحْتَ نَضَدٍ لَهُمْ فَأُمِرَ بِهِ فَأُخْرِجَ"، قَالَ أَبُو دَاوُد: وَالنَّضَدُ شَيْءٌ تُوضَعُ عَلَيْهِ الثِّيَابُ شَبَهُ السَّرِيرِ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا: میں کل رات آپ کے پاس آیا تھا لیکن اندر نہ آنے کی وجہ صرف وہ تصویریں رہیں جو آپ کے دروازے پر تھیں اور آپ کے گھر میں (دروازے پر) ایک منقش پردہ تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور گھر میں کتا بھی تھا تو آپ کہہ دیں کہ گھر میں جو تصویریں ہوں ان کا سر کاٹ دیں تاکہ وہ درخت کی شکل کی ہو جائیں، اور پردے کو پھاڑ کر اس کے دو غالیچے بنا لیں تاکہ وہ بچھا کر پیروں سے روندے جائیں اور حکم دیں کہ کتے کو باہر نکال دیا جائے"، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا، اسی دوران حسن یا حسین رضی اللہ عنہما کا کتا ان کے تخت کے نیچے بیٹھا نظر آیا، آپ نے حکم دیا تو وہ بھی باہر نکال دیا گیا۔ ابو داوٗد کہتے ہیں: (نضد) چارپائی کی شکل کی ایک چیز ہے جس پر کپڑے رکھے جاتے ہیں۔ (سنن ابی داود: ۴۱۵۸)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپس میں متناقض اور متعارض نہیں ہیں، بلکہ بعض بعض کی تصدیق کرتی ہیں، اسی لئے جہاں تک ممکن ہو سکے ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش ہونی چاہیے، اور تطبیق ہی کو ترجیح و تنسیخ پر مقدم رکھنا چاہئے، جیسا کہ علم اصول اور مصطلح الحدیث میں ثابت ہے، اور یہاں پر جمع و تطبیق ممکن ہے جیسا کہ میں نقل کیا ہے، اللہ الحمد۔ انتہی۔

تیسری غلطی:

مصنف نے فوٹو گرافی تصویر کے بارے میں کہا کہ اس میں خالق کا مقابلہ کرنے کی علت نہیں پائی جاتی ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اسکی علت بتائی جاتی ہے۔

یہ بلا شبہ باطل قول ہے، بلکہ واضح طور پر مغالطہ ہے، کیونکہ اس میں دوسری تصویروں کے

مقابلے یہ علت کہیں زیادہ پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں بھی جس شخص کی تصویر لی جاتی ہے اس کی شکل وصورت کی عکاسی ہوتی ہے اور یہی مفہوم دوسری حدیثوں میں بھی پایا جاتا ہے اور یہ چیز فوٹو گرافی میں کہیں زیادہ موجود ہے۔

میں مصنف سے پوچھوں گا کہ جب اس عمل کو بھی تصویر کشی اور تصویر لینے والے کو مصور کہتے ہیں تو پھر کر بنیاد پر اسے مستثنیٰ کیا جاتا ہے؟!

چوتھی غلطی:

مصنف نے مجسمہ کے علاوہ دوسری تصویروں کو حرام قرار نہ دینے پر درج ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ، وَكَانَ الدَّاخِلُ إِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " حَوِّلِي هَذَا، فَإِنِّي كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهُ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا "، قَالَتْ: وَكَانَتْ لَنَا قَطِيفَةٌ كُنَّا نَقُولُ عَلَمُهَا حَرِيرٌ فَكُنَّا نَلْبَسُهَا.

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ہمارے پاس ایک پردہ تھا اس میں پرندہ کی تصویر بنی تھی۔ جب کوئی اندر آتا تو وہ تصویر اس کے سامنے ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس کو بدل دو، جب میں اندر آ کر اس کو دیکھتا ہوں تو دنیا یاد آجاتی ہے۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہمارے پاس ایک چادر تھی جس پر ریشمی بیل تھی ہم اس کو پہنا کرتے۔ (صحیح مسلم: ۲۱۰۷)۔

مصنف نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کاٹنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اسکی جگہ بدلنے کا حکم دیا، جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے گھر میں باقی رکھا، جس میں کہ مجسمہ اور تصویریں تھیں۔انتہی۔

اس کا جواب امام نووی نے شرح صحیح مسلم (۱۴ / ۸۷) کے اندر دیا ہے کہ یہ حرمت سے پہلے کا واقعہ ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر جاتے تھے اور اسے دیکھتے تھے، اور اس مرتبہ سے پہلے کبھی نکیر نہیں کرتے تھے۔انتہی۔

اور امام نووی کے قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام مسلم نے اس حدیث کو تصویر کے باب میں سب سے پہلے نقل کیا ہے جس میں مطلق طور پر تصویر کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، پھر اس روایت کو نقل کیا یہ بتانے کیلئے کہ اصل عمل پہلی حدیث پر ہے، اور امام مسلم کا یہی طریقہ ہے کہ آپ پہلے اس حدیث کو مقام کرتے ہیں جس پر عمل ہوتا ہے پھر بعد اسے لاتے ہیں جس ہر کسی علت کی وجہ سے عمل متروک ہوتا ہے۔

پانچویں غلطی:

مصنف کا گمان ہے کہ تصویر کشی پر سختی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں کی تھی کیوں کہ لوگ شرک کے قریب تھے لیکن جب ان کے دلوں میں عقیدہ توحید راسخ ہوگیا تو ایسی تصویروں کی اجازت دے دی جن کا جسم نہ ہو۔

میں مطالبہ کرتا ہوں کہ مصنف اپنے اس گمان پر کوئی دلیل پیش کردیں، یہ اس پر کوئی دلیل نہیں پائیں گے کیونکہ یہ انکا ذہنی اختراع ہے، دلیلیں اسکے بالکل برعکس ہیں کہ تصویر کی تردید اور

ابطال میں دلیلیں بھری پڑی ہیں، جو تصویرکشی کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جن میں کوئی تخصیص اور استثنی نہیں ہے۔

ابن دقیق العید نے شرح العمدہ (۳/ ۲۵۶) (حاشیہ الصنعانی) پر اسی گمان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ عہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو اسے کراہت پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سختی شروع میں اسلئے تھی کیونکہ لوگ شرک وگمراہی کے قریب تھے، اور چونکہ بعد میں جب اسلام راسخ ہوگیا تو یہ سختی ختم ہوگئی، ایسا گمان ہمارے نزدیک باطل ہے، کیونکہ تصویر بنانے والوں کو عذاب آخرت کی دھمکی دی گئی ہے اور یہ علت ایسا کہنے والوں کے خلاف ہے، بلکہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تخلیق الہی کا مقابلہ کرتے ہیں، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُتَسَتِّرَةٌ بِقِرَامٍ فِيهِ صُورَةٌ، فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ تَنَاوَلَ السِّتْرَ فَهَتَكَهُ، ثُمَّ قَالَ: " إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُشَبِّهُونَ بِخَلْقِ اللَّهِ".

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں ایک پردہ ڈالے تھی تصویر دار۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو لے کر پھاڑ ڈالا پھر فرمایا: "سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت میں ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ کی مخلوق کی صورت بناتے ہیں۔" (صحیح مسلم: ۲۱۰۷)۔

یہ ایک مستقل علت ہے جو کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے، اور ہمارے لئے یہ بالکل مناسب نہیں ہے کہ ہم نصوص کے معانی کے اندر اپنے خیال سے ردوبدل کریں۔

محشی امیر صنعانی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ آپ نے سچ کہا، کیا اس قدر لعن طعن اور عذاب کی

دھمکی کے بعد کسی کیلئے کسی تاویل کی گنجائش رہ جاتی ہے؟!

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے مسند احمد پر اپنے تعلیق (۱۲/ ۱۴۹) کے اندر اسی گمان کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ نصوص کو ایسی علت سے مربوط کرتے ہیں جس کا شارع نے کہیں ذکر نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اسے حرمت کی علت بتائی ہے، یہ علت بتاتے ہوئے یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ وہی شرک اور بت پرستی اس وقت کہیں زیادہ پائی جاتی ہے، قبروں کی پرستش اور مصیبت کے وقت قبروں کی پناہ لینا عام بات ہے، بلکہ یہ لوگ ان نصوص کو بھوک گئے جن میں حرمت کی عمومیت ہے اور علت بھی عام ہے، ہم ایسی بانجھ فکر اور پر پیچ اجتہاد پر تعجب کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انکا ذہنی اختراع ہے کیونکہ یہ علت آج تک کسی نے نہیں بتلائی ہے، کیونکہ یہ ایک باطل استدلال ہے یہاں تک کہ ہم نے پتہ لگایا ہے کہ یہ اپنے باطل کی تولید کرتے ہیں، اور اجتہاد واستنباط کرنے میں چوری کرتے ہیں۔

اسکے آپ نے ابن دقیق العید کے کلام کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ آج سے ۶۷۰/ سال پہلے ان نصوص کے ساتھ ایسے ہی لوگوں نے کھلواڑ کیا تھا جسکا جواب آپ نے دیا ہے، اسی طرح آج بھی انہیں کے مقلدین اور جاہل قسم کے لوگ اسی بدعت کو دوبارہ زندہ کررہے ہیں اور حدیثوں کے معانی کے ساتھ کھلواڑ کررہے ہیں۔ انتہی۔

مذکورہ باتوں سے پتہ چلا کہ تصویر اپنے تمام اشکال وانواع کے ساتھ حرام ہے خواہ وہ ہاتھ سے بنایا ہوا مجسمہ اور نقش ہو یا مشین سے بنائی ہوئی تصویر ہو جسے فوٹو گرافی تصویر کہتے ہیں، سب حرام ہے اور جو بھی ان میں سے کسی کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کرے وہ باطل ہے اور اسکی حجت مردود ہے۔



۸-اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کا حکم

مصنف نے آگے ص ۱۱۲ / پر کہا:

(اجنبی مرد کے حق میں عورت کا پورا بدن پردہ ہے سوائے چہرے اور ہتھیلی کے)۔

اور آگے ص ۱۱۳ پر عورتوں کے مردوں کی طرف دیکھنے کو لیکر کہا کہ: (اسی طرح مرد بھی عورت کے بدن کا وہی حصہ دیکھ سکتا ہے جو پردہ نہیں ہے جیسے کہ اسکا چہرہ اور ہتھیلی، یہ اسکا دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ شہوت یا فتنے کا خوف نہ ہو)۔

اور آگے ص ۱۱۵ پر اللہ کا یہ قول ذکر کیا: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے، یا اپنے باپوں، یا اپنے خاوندوں کے باپوں، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں، یا اپنے بھائیوں، یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں۔ (النور: ۳۱)۔

اسکے بعد مصنف نے کہا کہ اس آیت میں مومنہ عورتوں کو اجنبی مردوں کے سامنے اپنی خفیہ زینت کھولنے سے منع کیا گیا ہے جیسے کہ کان کی زینت، بال، سینے، گردن اور پنڈلی کی زینت، سوائے چہرہ اور ہتھیلی کے، جس کی طرف اشارہ اس حصے (الا ما ظهر منها) میں کیا گیا ہے کہ مگر جو ظاہر ہو جائے۔

اسی طرح مصنف نے ص ۱۱۳ پر اجنبی مرد کے سامنے چہرے اور ہتھیلی کے کھولنے کی اجازت پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ تَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هٰذَا وَهٰذَا، وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ"، قَالَ أَبُو دَاوُد: هٰذَا مُرْسَلٌ خَالِدُ بْنُ دُرَيْكٍ لَمْ يُدْرِكْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا.

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، وہ باریک کپڑا پہنے ہوئے تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ”اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو درست نہیں کہ اس کی کوئی چیز نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی جانب اشارہ کیا۔ابو داؤد کہتے ہیں: یہ روایت مرسل ہے خالد بن دریک نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔(سنن ابی داود: ۴۱۰۴)۔

مصنف نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا کہ اس حدیث کے اندر گرچہ ضعف پایا جاتا ہے مگر صحیح حدیثیں اسے تقویت پہنچاتی ہیں جن سے چہرہ اور ہتھیلی کے دیکھنے اور انہیں کھولنے کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ تَسْتَفْتِيهِ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللّٰهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ

اۓدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: "نَعَمْ"، وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے پیچھے، سو ایک عورت آئی خثعم قبیلہ کی اور وہ پوچھنے لگی اور فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کو دیکھنے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے، غرض اس عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا وہ میرے باپ پر بھی ہوا اور وہ بوڑھے ہیں کہ سواری پر سوار نہیں ہو سکتے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ ہاں۔" اور یہ ذکر حجۃ الوداع کا ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۳۳۴)۔

مصنف نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نوجوان کو دیکھا جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اسلئے فتنہ محسوس کیا چنانچہ نظر پھیر دیا جیسا کہ ترمذی کی روایت میں موجود ہے۔

تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ مصنف نے اس مسئلے میں کئی جگہوں پر غلطیاں کی ہیں:

پہلی غلطی:

مصنف نے اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کو جائز کہا، اسی طرح اجنبی مرد کیلئے کسی عورت کی طرف اسکے چہرے اور ہتھیلی کو دیکھنے کو جائز ٹھہرایا، جبکہ یہ باطل ہے، اور صریح غلطی ہے جسے صحیح دلیلیں رد کرتی ہیں، اور اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اجنبی مرد کیلئے عورت کا پورا بدن

پردہ ہے، ان میں سے چند دلائل کا ذکر درج ذیل ہے:

ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔ (النور: ۳۱)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَى أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتیں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الاحزاب: ۵۹)۔

ان دونوں آیتوں پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کلام کرتے ہوئے کہا کہ ظاہری زینت کو لیکر سلف کے یہاں دو قول ہے؛ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگ اس سے مراد کپڑا لیتے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کچھ لوگ اس سے مراد چہرے اور ہتھیلی کی زینت لیتے ہیں، جیسے سرمہ اور انگوٹھی۔

پھر دونوں قول کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے دو طرح کی زینت بنائی ہے: ایک ظاہری زینت اور دوسرے غیر ظاہری زینت، چنانچہ ظاہری زینت کے اظہار کی اجازت اجنبی مرد کیلئے ہے البتہ غیر ظاہری زینت کو صرف شوہر اور محارم ہی کیلئے ظاہر کرسکتی ہے، کیونکہ حجاب کی آیت نازل ہونے سے قبل عورتیں بغیر دوپٹے کے نکلتی تھیں جسکی وجہ سے لوگ

انکے چہرے اور ہتھیلی کو دیکھتے تھے، اس وقت چہرے اور ہتھیلی کا کھولنا جائز تھا، اور دیکھنا بھی جائز تھا، کیونکہ اظہار کرنا بھی جائز تھا، لیکن جب حجاب کی آیت نازل ہوگئی جیسا کہ اوپر سورہ احزاب کی آیت گزری ہے، تو پھر عورتوں نے اجنبی مردوں سے پردہ کرنا شروع کردیا، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش سے شادی کی تھی، اور اسی لئے خیبر کے موقع پر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حی سے شادی کی تو لوگوں نے کہا کہ اگر وہ پردہ کرتی ہیں تو امہات المومنین میں سے ہوں گی بصورت دیگر لونڈی ہوں گی، چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ پردہ کرلیا ہے۔

اسی طرح اللہ نے حکم دیا کہ پردہ میں ہوکر سوال کرو، اور اللہ نے اپنی بیویوں، لڑکیوں اور مومنوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اوپر کپڑا ڈال لیں، جسے قرآن میں جلباب کہا گیا ہے اسی کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ازار یعنی چادر کہا ہے جس سے سر اور پورا بدن ڈھک جاتا ہے، اور عبیدہ وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ اس کپڑے کو عورت سر کے اوپر سے ڈالتی تھی جس سے صرف آنکھ کھلتی تھی اور اسی جنس سے نقاب بھی ہے جسے عورتیں استعمال کرتی تھیں، اسی لئے حج کے موقع پر عورت کو نقاب سے منع کیا گیا ہے۔

اور بدن ڈھکنے کا حکم اسی لئے دیا گیا ہے تاکہ عورت پہچانی نہ جائے اور یہ اسی وقت ہوتا جب وہ اپنا چہرہ ڈھک لے، اور چہرہ اور ہتھیلی زینت ہے جسے اجنبی مردوں کے سامنے پردہ کرنے کا حکم ہے، اس طرح اجنبی مردوں کے لئے صرف ظاہری زینت ہی بچتا ہے جسے وہ دیکھ سکتا ہے اور وہ اس کا کپڑا ہے، اس طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آخری امر جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پہلا امر ذکر کیا ہے، انتہی۔

ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم مومنہ عورتوں سے فرمادیں بالخصوص اپنی بیویوں اور صاجزادیوں سے کیونکہ وہ تمام دنیا کی عورتوں سے بہتر و افضل ہیں کہ وہ اپنی چادریں قدریں لٹکا لیا کریں تاکہ جاہلیت کی عورتوں سے ممتاز ہو جائیں اسی طرح لونڈیوں سے بھی آزاد عورتوں کی پہچان ہو جائے"۔

جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو عورتیں اپنی دوپٹیا کے اوپر ڈالتی ہیں۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ مسلمان عورتوں کو حکم دیتا ہے کہ "جب وہ اپنے کسی کام کاج کیلئے باہر نکلیں تو جو چادر وہ اوڑھتی ہیں اسے سر پر سے جھکا کر منہ ڈھک لیا کریں، صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں"۔

امام محمد بن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے سوال پر عبیدہ سلمانی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنا چہرہ اور سر ڈھانک کر اور بائیں آنکھ کھلی رکھ کر بتادیا کہ "یہ مطلب اس آیت کا ہے"۔

شیخ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اضواء البیان (۶ / ۱۹۷) کے اندر زینت کی دونوں قسموں کی وضاحت کرتے ہوئے سلف کے اقوال کی روشنی میں کہتے ہیں کہ:

پتہ چلا کہ اس تعلق سے تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

ظاہری زینت سے مراد خلقت کے علاوہ خارجی زیب و زینت ہے، اور ایسی صورت میں اسکی طرف دیکھنے سے اسکا بدن دیکھنا لازم نہیں آتا، جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگ اس سے ظاہری لباس مراد لیتے ہیں؛ کیونکہ لباس اصل خلقت کے علاوہ خارجی زیب و زینت ہے، اور یہی قول میرے نزدیک زیادہ قریب تر اور راجح ہے بلکہ شک وشبہ اور فتنوں کے اسباب سے بعید بھی ہے۔

دوسرا قول:

ظاہری زینت سے مراد اصل خلقت کے علاوہ خارجی زیب وزینت ہے مگر وہ زینت جس سے وہ مزین ہوتی ہے، ایسی صورت میں اس زینت کی طرف دیکھنے سے اسکا بدن دیکھنا بھی لازم آتا ہے، جیسے کہ مہندی، سرمہ اور انگوٹھی وغیرہ، کیوں کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے انکی جگہوں کو دیکھنا بھی لازم آتا ہے جیسا کہ واضح ہے۔

تیسرا قول:

ظاہری زینت سے مراد عورت کے بدن کا بعض حصہ ہے، جو کہ اس کے اصل خلقت کا جزء ہے، جیسا کہ بعض لوگ چہرہ اور ہتھیلی کو مراد لیتے ہیں۔

اور ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ دلیلوں کی روشنی میں یہ مفہوم یہاں پر مرجوح ہے، کیونکہ عربوں میں یہ مشہور ہیکہ عورت جو بھی زینت کرتی ہے وہ اصل خلقت کے علاوہ ہوتی ہے، جیسے کہ زیورات اور کپڑے وغیرہ، اسلئے ظاہری زینت سے بدن کا حصہ مراد لینا خلاف ظاہر ہے، پتہ چلا کہ ظاہری زینت سے چہرہ اور ہتھیلی مراد لینا آیت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے، ضروری ہے کہ اسکے لئے کوئی خارجی واضح دلیل ہو۔

جبکہ ظاہری زینت سے مراد خارجی زیب وزینت لینا بہت ہی واضح ہے اور اس پر بہت ساری دلیلیں دلالت کرتی ہیں جیسے کہ درج ذیل آیات:

-ارشاد باری تعالی ہے:(يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ) ترجمہ: اے آدم کی اولاد! ہر نماز کے وقت اپنی زینت لے لو۔(الاعراف:۳۱)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ

وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ) ترجمہ: تو کہہ کس نے حرام کی اللہ کی زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں؟ کہہ دے یہ چیزیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں (بھی) ہیں، جبکہ قیامت کے دن (ان کے لیے) خالص ہوں گی، اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو جانتے ہیں۔(الاعراف:۳۲)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا) ترجمہ: بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے۔(الکہف:۷)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُونَ) ترجمہ: اور تمھیں جو کچھ بھی دیا گیا ہے سو دنیا کی زندگی کا سامان اور اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ اس سے کہیں بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے، تو کیا تم نہیں سمجھتے۔(القصص:۶۰)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ) ترجمہ: بے شک ہم نے ہی آسمان دنیا کو ایک انوکھی زینت کے ساتھ آراستہ کیا، جو ستارے ہیں۔ (الصافات:۶)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ) ترجمہ: اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے

لیے، اور وہ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے۔(النحل:۸)۔

-مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ) ترجمہ: پس وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی زینت میں نکلا۔ ان لوگوں نے کہا جو دنیا کی زندگی چاہتے تھے، اے کاش! ہمارے لیے اس جیسا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے، بلاشبہ وہ یقیناً بہت بڑے نصیب والا ہے۔(القصص:۷۹)۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا) ترجمہ: مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں۔(الکہف:۴۶)۔

-مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ) ترجمہ: جان لو کہ دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل ہے اور دل لگی ہے اور بناؤ سنگار ہے اور تمھارا آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی جتانا ہے اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔(الحدید:۲۰)۔

-مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:(قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى) ترجمہ: کہا تمھارے وعدے کا وقت زینت کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں۔(طٰہٰ:۵۹)۔

-مزید قوم موسی کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:(قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ) ترجمہ: انھوں نے کہا ہم نے اپنے اختیار سے تیرے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی اور لیکن ہم پر لوگوں کے زیوروں کے کچھ بوجھ لاد دیے گئے تھے تو ہم نے انھیں پھینک دیا، پھر اس طرح سامری نے (بنا) ڈالا۔(طہ:۸۷)۔

-مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ) ترجمہ: اور اپنے پاؤں (زمین پر) نہ ماریں، تاکہ ان کی وہ زینت معلوم ہو جو وہ چھپاتی ہیں۔(النور:۳۱)۔

ان تمام آیات میں زینت سے مراد خارجی زیب وزینت ہے، اصل خلقت سے باہر ہے، اور قرآن میں زینت سے یہی معنی غالب مراد ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر زینت کو محل نزاع بھی مانا جائے تو اس سے وہی معنی ومفہوم مراد لیا جائے گا جو قرآن میں غالب مراد ہے۔

پتہ چلا کہ یہاں پر ظاہری زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلی کو لینا محل نظر ہے۔

اسلئے میرے نزدیک زیادہ قریب تر اور راجح قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے کہ ظاہری زینت سے مراد چہرہ اور ہتھیلی نہیں بلکہ ظاہری لباس ہے جس سے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا لازم نہیں آتا۔

اور بلاشبہ عورت کا چہرہ ہی اصل جمال کا مظہر ہے، اور چہرے کا دیکھنا ہی فتنے کا باعث ہے، اور یہ شرعی قاعدہ ہیکہ فتنوں کے اسباب سے بچنا ہی اصل حفاظت ہے۔

آگے کہتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا:(وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ

حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ) ترجمہ: اور جب تم ان سے کوئی سامان مانگو تو ان سے پردے کے پیچھے سے مانگو، یہ تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ (الاحزاب: ۵۳)۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو لوگ اسے ازواج مطہرات کے ساتھ خاص مانتے ہیں ان کے پاس خصوصیت کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے بلکہ اس حکم کا عموم ہی ظاہر ہے، کیونکہ کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ ازواج مطہرات کے علاوہ دوسری خواتین کیلئے دلوں کی پاکیزگی کی ضرورت نہیں ہے، اور یہ اصول ہیکہ علت اپنے معلول کے ساتھ عام ہوتا ہے۔

اسلئے یہ حکم تمام مومنہ عورتوں کیلئے عام ہے صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص نہیں ہے، گرچہ آیت کا لفظ ان کے ساتھ خاص ہے۔

آگے کہتے ہیں کہ عورت کے پورے بدن کے حجاب پر قرآنی دلیلوں میں سے یہ آیت بھی ہے: (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا) ترجمہ: اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور مسلمانوں کی عورتیں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر نہ ستائی جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الاحزاب: ۵۹)۔

کہتے ہیں کہ یہاں پر پورا بدن ڈھکنا مراد ہے سوائے آنکھ کے کوئی حصہ کھلا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبیدہ سلمانی وغیرہ کے قول سے واضح ہوتا ہے۔ انتھی۔

ابو الاعلی مودودی اپنی کتاب الحجاب کے اندر مذکورہ آیت کے تحت مفسرین کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان اقوال سے واضح ہوا کہ صحابہ کے دور سے لیکر آٹھویں صدی ہجری تک سب نے اسکا ایک ہی مفہوم لیا ہے، جیسا کہ اس کے لفظ سے ہم نے سمجھا ہے۔ اسکے بعد ہم نے احادیث و آثار کے مطالعہ سے بھی یہی جانا کہ آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد عورتوں نۓ نقاب پہننا شروع کر دیا تھا، اور وہ بے پردہ نہیں نکلتی تھیں، جیسا کہ سنن کی کتابوں میں وارد ہوا ہے کہ محرم عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نقاب اور دستانہ نہ پہنیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں عورتیں چہرہ اور ہتھیلی کا پردہ کرتی تھیں، اسی لئے انہیں حالت احرام میں منع کیا گیا ہے، اسی طرح احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ازواج مطہرات اور عام عورتیں سب اجنبی مردوں سے حالت احرام میں اپنا چہرہ چھپاتی تھیں جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: " كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ مُحْرِمُونَ، فَإِذَا لَقِيَنَا الرَّاكِبُ أَسْدَلْنَا ثِيَابَنَا مِنْ فَوْقِ رُءُوسِنَا، فَإِذَا جَاوَزَنَا رَفَعْنَاهَا".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام کی حالت میں تھے، جب ہمیں کوئی سوار ملتا تو ہم اپنا کپڑا اپنے سروں کے اوپر سے لٹکا لیتے، اور جب سوار آگے بڑھ جاتا تو ہم اسے اٹھا لیتے۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۹۳۵)۔

آیات قرآنی اور مفسرین کے اقوال نیز عہد نبوی میں لوگوں کے تعامل کو دیکھ کر کوئی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ شریعت میں اجنبی مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ ڈھکنے کا حکم ہے، اور اس حکم پر عہد نبوی سے لیکر آج تک عمل جاری ہے۔

شیخ محمد علی صابونی نے روائع البیان: ۲/ ۳۸۴ کے اندر کہا کہ جس نے بھی قرون مفضلہ کا

مطالعہ کیا ہے وہ یہ مانے گا کہ اس سنہری دور میں پردے کا مکمل خیال کیا جاتا تھا، اور اسکے سامنے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو جائے گی جو یہ گمان کرتے ہیں کہ چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے، بلکہ اسکا کھولنا ضروری ہے، اور اسے ستر کا حصہ نہ مان کر کھولنے کی دعوت دیتے ہیں، انہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ اعدائے اسلام کی طرف سے ایک سازش ہے جن کا مقصد شرعی حجاب سے مومنہ عورتوں کو دور کرنا ہے جس کیلئے یہ لمبے عرصے سے کام کر رہے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتہی۔

مذکورہ بالا اقوال سے پتہ چلا کہ مصنف کیلئے آیت کے ٹکڑے (الا ما ظھر منھا) میں کوئی حجت نہیں ہے، اور یہ آیت ہمارے حق میں واضح دلیل ہے۔

اور جہاں تک سنت سے حجاب پر دلیلوں کی بات ہے تو اس تعلق سے بہت ساری حدیثیں موجود ہیں جو پردے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن میں چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَاذَا تَأْمُرُنَا أَنْ نَلْبَسَ مِنَ الثِّيَابِ فِي الْحَرَمِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَلْبَسُوا الْقُمُصَ وَلَا السَّرَاوِيلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا الْخِفَافَ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَحَدٌ لَيْسَتْ لَهُ نَعْلَانِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا تَلْبَسُوا شَيْئًا مِنَ الثِّيَابِ مَسَّهُ الزَّعْفَرَانُ وَلَا الْوَرْسُ، وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْحَرَامُ، وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ ہمیں احرام میں کون کون سے کپڑے پہننے کا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نہ قمیص پہنو، نہ پاجامے، نہ عمامے اور نہ موزے، الا یہ کہ کسی کے پاس جوتے نہ ہوں تو

وہ خف (چمڑے کے موزے) پہنے اور اسے کاٹ کر ٹخنے سے نیچے کر لے اور نہ ایسا کوئی کپڑا پہنو جس میں زعفران یا ورس لگا ہو، اور محرم عورت نقاب نہ لگائے اور نہ دستانے پہنے"۔ (سنن ترمذی: ۸۳۳)۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے واضح ہوتا ہیکہ عہد نبوی میں نقاب اور دستانہ پہننا معروف تھا، جوکہ چہرے اور ہاتھوں کے پردہ کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۲۰/ ۱۲۰)۔

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: " كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ".

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سوار ہمارے سامنے سے گزرتے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوتے، جب سوار ہمارے سامنے آجاتے تو ہم اپنے نقاب اپنے سر سے چہرے پر ڈال لیتے اور جب وہ گزر جاتے تو ہم اسے کھول لیتے۔ (سنن ابی داود: ۱۸۳۳)۔

امام شوکانی نے کہا کہ حالت احرام میں عورت کو چہرے کے پردہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے جب کوئی مرد اسکے بازو سے ہو کر گزرے، اس لئے ایسی صورت میں اسکے لئے چہرے کا پردہ کرنا مطلق طور پر حرام نہیں ہے، بلکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے ستر پوشی کرتی ہے۔ انتہی۔

گویا جس طرح ستر پوشی واجب ہے اسی طرح چہرے کا پردہ کرنا بھی واجب ہے۔

اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کے پردہ کرنے کے وجوب پر کتاب وسنت

سے یہ چند دلائل تھے، اور اہل علم کے چند اقوال، اگر اس موضوع پر کتاب وسنت سے دلائل اور اقوال اہل علم کا احاطہ کرنے لگیں تو کئی مجلدات سیاہ ہو جائیں گی، مگر یہاں پر صرف اشارہ سے کام لیا گیا ہے جس سے مقصد پورا ہو جائے۔

* ذیل میں مصنف کے دلائل اور انکا جواب دیا گیا ہے:

۱۔مصنف نے اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کو کھولنے کے جواز پر درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَأَعْرَضَ عَنْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: "يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيضَ لَمْ تَصْلُحْ أَنْ يُرَى مِنْهَا إِلَّا هَذَا وَهَذَا، وَأَشَارَ إِلَى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ". قَالَ أَبُو دَاوُد: هَذَا مُرْسَلٌ خَالِدُ بْنُ دُرَيْكٍ لَمْ يُدْرِكْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا.

ترجمہ: ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، وہ باریک کپڑا پہنے ہوئے تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ”اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو درست نہیں کہ اس کی کوئی چیز نظر آئے سوائے اس کے اور اس کے“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ اور ہتھیلیوں کی جانب اشارہ کیا۔ابو داوٗد کہتے ہیں: یہ روایت مرسل ہے خالد بن دریک نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہیں پایا۔(سنن ابی داود: ۴۱۰۴)۔

تعجب اس بات پر ہیکہ مصنف کو یہ اعتراف ہیکہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر بھی اس سے استدلال کو جائز سمجھتے ہیں اور کتاب وسنت کے صحیح دلائل کا مقابلہ ایک ضعیف روایت سے کرتے ہیں! یہ کہتے ہوئے کہ یہ روایت گرچہ ضعیف ہے مگر صحیح حدیثیں اسے تقویت پہنچاتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہیکہ فتنے سے امان کے وقت عورت کا چہرہ کھولنا جائز ہے۔

اس پر ہم مصنف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آخر وہ صحیح حدیثیں کہاں ہیں جو اسے تقویت پہنچاتی ہیں؟ اسی طرح میں یہ بھی مطالبہ کرتا ہوں کہ آخر فتنے سے امان کی کیا حد ہے کہ جس وقت اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کھولنا جائز ہو جاتا ہے؟ کون ایسا شخص ہے جو نظر کے فتنے سے مامون ہے؟ کیا نظر فتنے کا وسیلہ نہیں ہے؟! اور مصنف نے خود کتاب کے مقدمے میں یہ اصول ثابت کیا ہے کہ جو چیز حرام تک پہونچانے والی ہو وہ بھی حرام ہے۔ پھر آخر اس اصول کو اس مسئلے میں کیوں بھول گئے؟ اسی طرح اسے کتاب کے صفحہ ۱۱۰ پر کہا کہ نظر فتنے کا پیامبر اور زنا کا ڈاکیہ ہے۔ بہت پہلے شاعر نے کہہ دیا ہے:

کل الحوادث مبدأها النظر

ومعظم النار من مستصغر الشرر

ترجمہ: تمام حوادث کی جڑ نظر ہی ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ آگ چھوٹی چنگاری ہی سے لگتی ہے۔

پھر آخر مصنف کو کیا ہو گیا کہ یہاں پر نظر کمزور ہو گئی اور اپنا یہ اصول نظر نہ آیا؟!

شیخ صابونی نے روائع البیان: ۲ / ۱۷۳ کے اندر کہا کہ اسلام نے عورت کو بال اور قدم تک تک چھپانے کو حکم دیا ہے پھر آخر چہرہ اور ہتھیلی کو کھولنے کا حکم کیوں دے گا، آخر فتنہ کس میں زیادہ ہے آیا چہرے میں یا قدم میں؟ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہوش کے ناخن لو اور لوگوں پر دین کو گڈ مڈ نہ

کرو، ایک طرف اسلام عورت کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے پاؤں کو زمین پر پٹخے کہ کہیں پازیب کی آواز سن کر مردوں کے دلوں میں حرکت نہ پیدا ہو جائے پھر آخر دوسری طرف اسے چہرہ کھولنے کی اجازت کیوں دے گا جو کہ اصل حسن و جمال کا مرکز اور سرچشمہ فتنہ ہے؟! انتہی۔

۲- مصنف نے مرد کا اجنبیہ عورت کا چہرہ دیکھنے کے جواز پر خثعمیہ کے واقعے سے استدلال کیا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الْفَضْلُ بْنُ عَبَّاسٍ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ تَسْتَفْتِيهِ، فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا، وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ إِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ فَرِيضَةَ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الْحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَثْبُتَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: " نَعَمْ "، وَذَلِكَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ فضل بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے پیچھے، سو ایک عورت آئی خثعم قبیلہ کی اور وہ پوچھنے لگی اور فضل رضی اللہ عنہ اس کی طرف دیکھنے لگے اور وہ فضل کو دیکھنے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیتے تھے، غرض اس عورت نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ نے جو اپنے بندوں پر حج فرض کیا وہ میرے باپ پر بھی ہوا اور وہ بوڑھے ہیں کہ سواری پر سوار نہیں ہو سکتے کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ ہاں۔" اور یہ ذکر حجۃ الوداع کا ہے۔ (صحیح مسلم:

(۱۳۳۴)۔

مصنف کااس حدیث سے استدلال کرنا بہت عجیب ہے، کیونکہ حدیث اس کے برخلاف دلالت کرتی ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کیلئے اسے جائزنہیں کیا بلکہ انکا چہرہ پھیر دیا، اگر وہ چیز جائز ہوتی تو پھر ایک جائز عمل سے چہرہ نہ پھیرتے۔

اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام نووی کہتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ اجنبیہ عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور یہ کہ اگر ممکن ہو تو منکر کو ہاتھ سے مٹادینا چاہیئے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے روضۃ المحبین ص ۱۰۲ پر کہا کہ اس سے اس عمل کے منکر ہونے کا پتہ چلتا ہے، اگر اجنبیہ عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہوتا تو آپ انکا منہ نہ پھیرتے۔انتہی۔

علامہ شنقیطی رحمہ اللہ نے اضواء البیان ۶ / ۶۰۰ میں اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اسے دو وجوہات سے رد کرسکتے ہیں:

پہلی وجہ:

اس روایت میں یہ کہیں بھی صراحت نہیں ہے جس سے واضح ہو کہ اس عورت کا چہرہ کھلا ہوا تھا، اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھلا ہوا چہرہ دیکھا اور اس پر نکیر نہیں کیا، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت خوبصورت تھی، اور کسی عورت کی خوبصورتی واضح ہونے کیلئے چہرے کا کھولنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے بلاقصد دوپٹہ گر جائے اور چہرہ نظر آجائے۔اور یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ اسکی خوبصورتی کا علم پہلے سے رہا ہو کہ اسے وجوب حجاب سے پہلے دیکھا ہو۔اور اسکی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اس حدیث کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہما موقعے پر موجود نہیں تھے۔

اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اسکی خوبصورتی کا اندازہ اسکے قد وقامت کی عمدگی اور انگلیوں کی

چمک سے بھی ہوسکتا ہے۔

دوسری وجہ:

عورت حالت احرام میں تھی، اور ایسی صورت میں عورت کو چہرہ اور ہتھیلی کھولنا واجب ہے اگر سامنے اجنبی مرد نہ ہو جو اسے دیکھ رہا ہو، اگر کوئی اجنبی مرد دیکھ رہا ہو تو پھر پردہ واجب ہے، جیسا کہ ازواج مطہرات کے عمل سے ثابت ہے، پتہ چلا کہ اس خثعمیہ عورت نے اپنا چہرہ احرام کی وجہ سے کھول رکھا تھا نہ کہ اس لئے کہ چہرے کا کھولنا جائز ہے، اور اسے سوائے فضل کے کسی نے نہیں دیکھا تھا کیونکہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں ہوا ہے کہ فضل کے علاوہ کسی اور نے اسے دیکھا تھا، اور انکا چہرہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیر دیا تھا۔ معلوم ہوا کہ عورت پر واجب ہے کہ وہ پورے بدن کا پردہ کرے۔ انتہی۔



۹-شطرنج کھیلنے کا جواز

مصنف نے آگے ص ۲۱۷ / پر کہا:

مصنف نے آگے ص ۲۱۷ پر شطرنج کھیلنے کے حکم پر گفتگو کرتے ہوئے اسے جائز قرار دیا اور کہا:

اس میں اصل اباحت ہے، کیونکہ اسکی حرمت پر کوئی صریح نص نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں لہو ولعب، ذہنی تسلی اور فکری ریاضت پائی جاتی ہے، پھر اسکے بعد اسکے جواز کیلئے کچھ شروط رکھا ہے:

۱-اسکی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ ہو۔

۲-اس میں جوا شامل نہ ہو

۳-کھلاڑی فحش کلامی سے پرہیز کرے۔

تبصرہ:

جن شرائط کو مصنف نے گنایا ہے شاذ و نادر ہی شطرنج کے کھلاڑیوں میں پائے جاتے ہیں، اور اگر بالفرض ہم مان لیں تو بھی اسکا جائز کرنا حرام تک پہونچانے کا ایک وسیلہ ہے، اور دوسرے یہ کہ بہت سارے علماء نے شطرنج کھیلنے کی حرمت کی صراحت کی ہے اور اس سے ڈرایا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی: ۳۲ / ۲۱۶ پر اس موضوع پر طویل کلام کیا ہے، چنانچہ آپ کہتے ہیں:

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اس سے محرمات کا ارتکاب اور واجبات سے غفلت لازم نہیں آتا ہے تو بھی عمومی پیمانے پر صحابہ کرام سے اسکی ممانعت آئی ہے، چنانچہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے

بارے میں آیا ہے کہ آپ کا گزر کچھ ایسے لوگوں سے ہوا جو شطرنج کھیل رہے تھے تو آپ نے انہیں دیکھ کر یہ آیت تلاوت کی: (إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا هَٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ) ترجمہ: جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے تم مجاور بنے بیٹھے ہو؟ (الأنبياء: ٥٢)۔

یہاں آپ نے شطرنج کے کھیل کو بت پرستی سے مشابہت دی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مُدْمِنُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شراب کا عادی ایسے ہی ہے جیسے بتوں کا پجاری"۔ (سنن ابن ماجہ: ٣٣٧٥)۔

حالانکہ بت پوجنا شرک ہے اور شرک گناہوں میں سب سے بڑا ہے، مگر شراب بھی ایسا گناہ ہے کہ ہمیشہ کرنے سے وہ شرک کے مثل ہو جاتا ہے جیسے صغیرہ گناہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ ہو جاتا ہے، اس میں ڈر ہے شرابیوں کے لئے ایسا نہ ہو ان کا خاتمہ برا ہو۔

آگے شیخ کہتے ہیں کہ جوا اور شراب کا ذکر قرآن میں ایک ساتھ آیا ہے، اور صحابہ سے بھی شطرنج کی ممانعت معروف ہے جیسے ابن عمر وغیرہ، اور ائمہ اربعہ سے بھی اسکی حرمت وارد ہوئی ہے، کیوں کہ اس کے اندر نماز اور ذکر سے غفلت اور آپسی بغض وعناد پیدا ہوتا ہے بلکہ جوا اور شراب کے مقابلے اس میں کہیں زیادہ ہے، مزید یہ کہ اس میں مفاسد بے شمار ہیں، نیز اس میں کوئی مصلحت نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی مصلحت راجحہ ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے، جس

طرح کہ ایک شرابی کو ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے،اور سکون بلا مفاسد کے مباح کاموں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالی نے حلال اور اپنے فضل کے ذریعے حرام سے بے نیاز کر دیا ہے ارشاد باری تعالی ہے:(وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا[2] وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ) ترجمہ:اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔[2]اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے۔(الطلاق:٣)۔اسی طرح مسند احمد اور سنن وغیرہ میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنِّي لَأَعْرِفُ كَلِمَةً ,وَقَالَ عُثْمَانُ: آيَةً ,لَوْ أَخَذَ النَّاسُ كُلُّهُمْ بِهَا لَكَفَتْهُمْ " ,قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ,أَيَّةُ آيَةٍ؟ قَالَ: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا سورة الطلاق آية ٢.

ترجمہ: سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں، (راوی عثمان بن ابی شیبہ نے کلمہ کی جگہ ”آیت“ کہا) اگر تمام لوگ اس کو اختیار کر لیں تو وہ ان کے لیے کافی ہے“، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ کے رسول! کون سی آیت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (ومن يتق الله يجعل له مخرجا) ”اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نجات کا راستہ نکال دے گا“ (سورۃ الطلاق: ۲-۳)۔(سنن ابن ماجہ: ۴۲۲۰)۔

چنانچہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسے حرام کاموں سے دور رکھ کر حلال کاموں کی توفیق دیتا ہے اور رزق حلال کے ذرائع آسان کرتا ہے، اور سکون و راحت بھی مرحمت کرتا ہے، لیکن جو حرام ذرائع اپناتا ہے اسے گرچہ وقتی دلوں مل جائے ورنہ وہ ہمیشہ غم اور بے چینی کا شکار رہتا ہے، دنیاوی اور اخروی نقصانات اسکے علاوہ ہے۔انتہی۔

آپ انصاف کے ساتھ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول اور مصنف کے اس قول میں موازنہ کریں کہ اس کے اندر ذہنی سکون اور فکری ریاضت پائی جاتی ہے، سچائی کھل کر سامنے آجائے گی۔

اسی طرح شیخ تقی الدین نے کہا کہ امام بیہقی نے شطرنج کی حرمت پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف ذکر نہیں کیا ہے، اور کہا ہے کہ اگر کوئی کسی صحابی کی جانب سے رخصت نقل کرتا ہے تو وہ غلط ہے۔

اب آپ شیخ تقی الدین کے اس قول اور مصنف کے قول میں موازنہ کریں کہ اس مسئلے میں صحابہ کے اندر اختلاف رہا ہے، اور پھر مزید کہا کہ ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے اسے جائز کہا ہے۔ میں کہتا ہوں آخر صحابہ کرام کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام بیہقی زیادہ جانتے ہیں یا مصنف، واللہ المستعان۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر (۷/ ۳۳۹) میں کہا کہ ابن العربی مالکی نے کہا یہ کچھ لوگوں نے صحابہ کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ بعض صحابہ اور تابعین میں سے کچھ لوگ شطرنج کھیلتے تھے، جب کہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے، اللہ کی قسم! اس کھیل کو کسی صحابی اور تابعی نے اپنا ہاتھ نہیں لگایا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس سے ذہنی سکون حاصل ہوتا ہے جبکہ واقع حال اسکی تکذیب کرتا ہے کیونکہ ذہین اور عقل مند لوگ کبھی بھی اس کھیل میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔

یہ ابن العربی ہیں جو سختی سے انکار کررہے ہیں کہ اللہ کی قسم! اس کھیل کو کسی صحابی اور تابعی نے اپنا ہاتھ نہیں لگایا۔ اور اس پر قسم بھی کھا رہے ہیں، اور امام قرطبی اسے اثبات میں نقل بھی کرتے ہیں۔

ابن القیم نے کتاب الفروسیہ میں کہا کہ ابن عباس اور ابن عمر سے شطرنج کی ممانعت وارد ہوئی

ہے، اور صحابہ میں سے کسی نے انکی مخالفت نہیں کی ہے، اور نہ تو کسی صحابی نے اس کھیل کو جائز کہا ہے اور نہ ہی ہاتھ لگایا ہے۔

ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف اس کھیل کو لیکر جو بھی منسوب کیا جاتا ہے وہ ایک جھوٹ اور افتراء ہے، صحابہ میں سے کسی نے اس کھیل کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ متعدد صحابہ نے اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس یتیم کا مال ضائع کر دیا تھا جسے شطرنج کے ذریعے حاصل کیا گیا تھا۔



۱۰-گانا اور میوزک سننے کا حکم

مصنف نے آگے ص ۲۱۸ / پر کہا:

مصنف نے گانا اور میوزک کے موضوع پر ص ۲۱۸ سے ۲۲۱ تک گفتگو کی ہے، جن میں کئی جگہوں پر غلطیاں کی ہیں:

پہلی جگہ:

(اس کا شمار اس لہو ولعب میں ہوگا جس سے دلوں کو سکون ملتا ہے اور کانوں کو راحت حاصل ہوتی ہے، اور اسلام نے گانا کو جائز کیا ہے بشرطیکہ اس میں فحش گوئی اور بدتمیزی نہ ہو اور گناہ پر ابھارا نہ گیا ہو، اور گانے کے ساتھ اگر میوزک ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ بھڑکانے والی نہ ہو، اور مناسب یہ ہیکہ ایسے پروگرام خوشی کے موقع پر ہوتا کہ دلوں کو سکون اور راحت ملے، جیسے کہ عیدین کی مناسبت سے، شادی یا کسی مسافر کی آمد پر، ولیمہ اور عقیقہ کی مناسبت سے، اسی طرح ولادت کے موقع پر)۔

تبصرہ:

مصنف کے اس کلام پر کئی ملاحظات ہیں:

پہلا ملاحظہ:

گانا کے تعلق سے کہا کہ اس سے دلوں کو سکون اور کانوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

مصنف اپنے اس قول کے ذریعے گویا لوگوں کو گانا سننے پر ابھار رہے ہیں، اور اسے خوبصورت بنا کر پیش کر رہے ہیں، ایسے میں ہم مصنف سے کہیں گے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کیلئے ایسا کوئی ضابطہ

نہیں ہے کہ اس سے دلوں کوسکون اور کانوں کو راحت حاصل ہو،اور دوسری طرف اس سے کیا مفاسد اور نقصانات ہیں ان سے کلی طور پر اعراض پر لیا جائے ۔میں کہتا ہوں کہ اکثر لوگوں کے دل باطل امور ہی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور انہیں اسی میں راحت ملتی ہے،تو کیا آپ اسے جائز کہہ دیں گے؟

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین (۱/ ۴۹۱) کے اندر کہا کہ کسی چیز کے لذیذ اور عمدہ ہونے سے اسے جائز اور حرام نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسی لذت اور عمدگی میں پانچوں احکام آسکتے ہیں: وہ چیز حرام اور مکروہ بھی ہوسکتی ہے، اور واجب، مستحب اور مباح بھی ہوسکتی ہے،کیا کوئی لذت کی وجہ سے زنا کو حلال کہہ سکتا ہے؟ بلکہ اکثر حرام چیزوں میں لذت پائی جاتی ہے،اور کیا میوزک اور باجے مین لذت نہیں ہے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کہا ہے اور یہ پیشین گوئی کی ہے کہ کچھ لوگ اسے جائز کریں گے؟اور کیا اسکی حرمت پر جمہور اہل کا اجماع نہیں ہے؟!

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں کہتے ہیں کہ جان لو! گانا سننے میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں: پہلی یہ کہ اس سے آدمی اللہ اور اسکی ذکر سے غافل ہوجاتا ہے،اور دوسرے یہ کہ انسان شہوت پرست بن جاتا ہے اور جسکا نتیجہ زنا ہے،اور گانا اور زنا کے درمیان ایک گہری مناسب بھی ہے اس اعتبار سے کہ گانا سے روح کو لذت ملتی ہے جبکہ زنا سے قلب و بدن دونوں کو لذت ملتی ہے،اسی لئے حدیث کے اندر وارد ہوا ہے کہ گانا زنا کا وسیلہ ہے ۔انتہی ۔

دوسرا ملاحظہ:

مصنف نے کہا کہ: (اسلام نے گانا کو جائز کیا ہے بشرطیکہ اس میں فحش گوئی اور بدتمیزی نہ ہو اور گناہ پر ابھارا نہ گیا ہو)۔

مصنف نے یہاں پر حیلہ سے کام لیا ہے، پہلے گانے کو چند امور سے مشروط کیا پھر اسی حیلے کے ذریعے اسے جائز کر دیا، اور اسے اسلام کی طرف منسوب کر دیا جبکہ یہ اسلام پر بہتان اور بڑا مغالطہ ہے، اور بلا علم و دلیل کے اللہ پر افترا پردازی ہے، کیونکہ واقع حال اسکے بالکل برعکس ہے، اسلئے لئے دین اسلام میں گانا کو کہیں بھی جائز نہیں کہا گیا ہے، بلکہ اسکی حرمت پر کتاب وسنت سے بے شمار دلائل مل جائیں گے۔انہیں میں سے چند کاذکر درج ذیل ہے:

۱- ارشاد باری تعالی ہے:(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ) ترجمہ: اورلوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(لقمان: ٦)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ یہاں پر لھو الحدیث سے مراد گانا ہے جیسا کہ صحابہ اور تابعین سے مروی ہے اور یہی ہمارے لئے کافی ہے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے تین بار دہرا کر قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اس سے گانا مراد ہے۔اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔

اور ایک روایت کے مطابق اس سے روم و ایران کے بادشاہوں کی خبریں مراد ہیں جنہیں نضر بن حارث مکہ والوں کو سنایا کرتا تھا تو معلوم رہے کہ دونوں لھو الحدیث میں شامل ہیں، اسی لئے صحابہ سے دونوں روایتیں مروی ہیں، کسی نے دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے اور کسی نے دونوں کو ایک ساتھ بیان کیا ہے، لیکن گانا زیادہ نقصان دہ ہے، کیونکہ یہ زنا کا وسیلہ اور نفاق کا سبب ہے، اس سے

انسان ذکر الٰہی اور اطاعت ربانی سے غافل ہو جاتا ہے۔ (اغاثۃ اللھفان: ۱/ ۲۵۸)۔

۲-سنت سے گانا کی حرمت پر کئی دلیلیں ہیں، انہیں میں سے ایک یہ روایت بھی ہے:

عَنْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ وَاللَّهِ يَمِينٌ أُخْرَى مَا كَذَّبَنِي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْخَزَّ وَالْحَرِيرَ، وَذَكَرَ كَلَامًا، قَالَ: يُمْسَخُ مِنْهُمْ آخَرُونَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں مجھ سے ابو عامر یا ابو مالک نے بیان کیا اور اللہ کی قسم انہوں نے جھوٹ نہیں کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو خز اور حریر (ریشم) کو حلال کر لیں گے پھر کچھ اور ذکر کیا، فرمایا: ”ان میں سے کچھ قیامت تک کے لیے بندر بنا دیئے جائیں گے اور کچھ سور“۔ (سنن ابی داود: ۴۰۳۹)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے اس طرح کی حدیث کو کئی صحابہ سے نقل کیا ہے۔ پھر آخر مصنف نے یہ کیسے گمان کر لیا کہ اسلام میں گانا کو جائز کیا گیا ہے؟!



* گانے کی حرمت پر علمائے امت کے اقوال:

۱- امام قرطبی اپنی تفسیر (۱۴/ ۵۵) کے اندر کہتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ گانا ہمارے یہاں فاسق لوگ گاتے ہیں۔طبری سے منقول ہے کہ امام مالک گانا گانے اور سننے سے منع کرتے تھے۔اور لونڈی اگر گلوکارہ ہوتی تو اسے عیب شمار کرتے۔

آگے کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ بھی گانا کو مکروہ کہتے تھے البتہ نبیذ کو جائز سمجھتے تھے،اور گانا سننے کو گناہ سمجھتے تھے،یہی مذہب کوفہ اور بصرہ والوں کا ہے،امام شافعی بھی گانا کو مکروہ سمجھتے تھے،اور اسے باطل سے تشبیہ دیتے تھے،اور آپ کے نزدیک جو زیادہ گانا گاتا اسے بیوقوف سمجھ کر اسکی گواہی رد کر دیتے تھے،امام احمد کے نزدیک بھی گانا ممنوع ہے،اسی لئے طبری کہتے ہیں کہ علمائے امت کا گانے کی حرمت پر اجماع ہے، کچھ لوگوں نے اعتراض کیا ہے جیسے کہ ابراہیم بن سعد اور عبید اللہ عنبری۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو۔اور دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے کہ اگر کوئی جماعت سے نکل کر مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی: ۳۰/ ۲۱۵ کے اندر کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گزر ایک بار ایک ایسے چرواہے سے ہوا جو گانا گا رہا تھا تو آپ نے اسکی گوش مالی کر دی، پھر آگے کہتے ہیں: چھٹی وجہ یہ ہیکہ ابن منذر نے گانا اور نوحہ کرانے کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے اور میرا بھی یہی کہنا ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان: ۱/ ۲۴۵ کے اندر گانے کے تعلق سے علماء کے اقوال نقل کرتے ہوئے کہا کہ امام مالک کا قول نقل کیا ہے کہ امام مالک گانا گانے اور سننے سے منع کرتے تھے۔اور لونڈی اگر گلوکارہ ہوتی تو اسے عیب شمار کرتے۔اسی طرح دیگر ائمہ کے

اقوال بھی نقل کیئے ہیں ۔اور آخر میں کہا کہ کتاب وسنت کے سامنے ہم کسی کے قول کے پابند نہیں ہیں خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

اور جہاں تک مصنف کا یہ کہنا کہ: (اور گانے کے ساتھ اگر میوزک ہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ بھڑکانے والی نہ ہو)۔

تو میں کہوں گا کہ یہاں پر مصنف نے میوزک کو جائز کہا ہے جس سے حدیث کے اندر منع کیا گیا ہے اور جس پر وعید سنائی گئی ہے، جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيَّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ وَاللَّهِ يَمِينٌ أُخْرَى مَا كَذَّبَنِي أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: "لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْخَزَّ وَالْحَرِيرَ، وَذَكَرَ كَلَامًا، قَالَ: يُمْسَخُ مِنْهُمْ آخَرُونَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری کہتے ہیں مجھ سے ابو عامر یا ابو مالک نے بیان کیا اور اللہ کی قسم انہوں نے جھوٹ نہیں کہا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ہوں گے جو خز اور حریر (ریشم) کو حلال کر لیں گے پھر کچھ اور ذکر کیا، فرمایا: "ان میں سے کچھ قیامت تک کے لیے بندر بنا دیئے جائیں گے اور کچھ سور"۔ (سنن ابی داود: ۴۰۳۹)۔

اس روایت سے پتہ چلا کہ باجے کی تمام صورتیں حرام ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مجموع الفتاوی: ۱۱/ ۵۷۶ کے اندر کہا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک لہو ولعب کے تمام آلات حرام ہیں، مذاہب اربعہ میں کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی کتاب اغاثۃ اللھفان: ۱/ ۲۷۷ کے اندر کہتے ہیں کہ امام بخاری

نے شراب کی حرمت پر باب باندھا ہے: بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ ۔ باب: اس شخص کی برائی کے بیان میں جو شراب کا نام بدل کر اسے حلال کرے۔

پھر اس باب کے تحت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کیا ہے:

عن عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَاللَّهِ مَا كَذَبَنِي سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوحُ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ يَعْنِي الْفَقِيرَ لِحَاجَةٍ، فَيَقُولُونَ ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللَّهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً، وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے ابو عامر رضی اللہ عنہ یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ کی قسم! انہوں نے جھوٹ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے برے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو زنا کاری، ریشم کا پہننا، شراب پینا اور گانے بجانے کو حلال بنا لیں گے اور کچھ متکبر قسم کے لوگ پہاڑ کی چوٹی پر (اپنے بنگلوں میں رہائش کرنے کے لیے) چلے جائیں گے۔ چرواہے ان کے مویشی صبح و شام لائیں گے اور لے جائیں گے۔ ان کے پاس ایک فقیر آدمی اپنی ضرورت لے کر جائے گا تو وہ ٹالنے کے لیے اس سے کہیں گے کہ کل آنا لیکن اللہ تعالیٰ رات کو ان کو (ان کی سرکشی کی وجہ سے) ہلاک کر دے گا پہاڑ کو (ان پر) گرا دے گا اور ان میں سے بہت سوں کو قیامت تک کے لیے بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کر دے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۵۹۰)۔

اسکے بعد ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ باجے سے مراد لہو ولعب کے تمام آلات ہیں، اس میں اہل لغت کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اگر یہ حلال ہوتا تو اسے حلال سمجھنے پر مذمت نہ کی جاتی، جس طرح شراب اور ریشم کے حلال سمجھنے پر مذمت وارد ہوئی ہے، اور سنن ابن ماجہ وغیرہ میں مروی ہے:

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ , قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ , يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا , يُعْزَفُ عَلَى رُءُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ , يَخْسِفُ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ , وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ ".

ترجمہ: سیدنا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اور اس کا نام کچھ اور رکھیں گے، ان کے سروں پر باجے بجائے جائیں گے، اور گانے والی عورتیں گائیں گی، تو اللہ تعالیٰ انہیں زمین میں دھنسا دے گا، اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دے گا“۔(سنن ابن ماجہ: ۴۰۲۰)۔

باجے کو حلال سمجھنے والوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر زمین دھنسا دے گا، اور انہیں بندر و خنزیر بنا دے گا، اس سے واضح ہوا کہ لہو ولعب کے تمام آلات میں سے کوئی بھی جائز نہیں ہے چاہے وہ میوزک ہو یا کوئی دوسرا باجہ۔ واللہ اعلم۔

مصنف نے آگے کہا کہ: (اسلام نے اسے جائز کیا ہے مناسبات پر)۔

مجھے نہیں معلوم مصنف نے یہ جواز کی بات کہاں سے کہی ہے یہاں تک کہ اسے مطلق طور پر جائز

کہہ دیا اور اسکی نسبت دین اسلام کی طرف کر دی! حالانکہ زیادہ سے زیادہ اسلام کے اندر اشعار اور گیت سنانے اور سننے کی اجازت ہے کچھ خاص مناسبات میں۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی: ۱۱ / ۵۶۵ کے اندر کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی اور دیگر خوشی کے وقت عورتوں کو اجازت دی ہے کہ وہ دف بجا کر گیت گالیں۔ اور جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے دف خس تالی بجایا ہو، بلکہ صحیح حدیثوں میں ثابت ہیکہ عورتیں تعالی بجائیں گی اور مرد سبحان اللہ کہیں گے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت بھیجی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں، اور چونکہ گانا اور دف بجانا عورتوں کا عمل ہے اسی لئے اگر یہ کام کوئی مرد کرتا تو سلف اسے مخنث کہتے تھے۔ اس بارے میں یہ حدیث معروف ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو بَكْرٍ وَعِنْدِي جَارِيَتَانِ مِنْ جَوَارِي الْأَنْصَارِ، تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتْ بِهِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثَ، قَالَتْ: وَلَيْسَتَا بِمُغَنِّيَتَيْنِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: أَبِمَزْمُورِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَلِكَ فِي يَوْمِ عِيدٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " يَا أَبَا بَكْرٍ إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا ".

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے گھر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں تھی کہ وہ بعاث کا قصہ جو انصار نے نظم کیا تھا، گا رہی تھیں (بعاث وہ لڑائی تھی جو اوس اور خزرج انصار کے دو قبیلوں میں کفر کی حالت میں ہوئی تھی اور اس میں اوس جیتے تھے) اور وہ لڑکیاں گانے کا پیشہ نہیں کرتی تھیں تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ شیطان کی تان رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے گھر میں؟ اور یہ عید کے دن میں تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابو بکر! سب کی عید ہوتی ہے اور آج ہماری عید ہے" (یعنی ان کو دل خوش کرنے دو)۔ (صحیح مسلم: ۸۹۲)۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی عادت نہیں تھی، اسی لئے صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے شیطان کی بانسری کہا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی مناسبت سے لڑکیوں کے اس عمل کو تسلیم کیا جیسا کہ ایک دوسری روایت کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي الزِّنَادِ قَالَ قَالَ لِي عُرْوَةُ إِنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ لِتَعْلَمَ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ

ترجمہ: عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں کو جان لینا چاہیے کہ ہمارے دین میں بڑی گنجائش ہے اور مجھے خالص ملت حنیفی بھیجا گیا ہے۔ (مسند احمد: ۶/ ۱۱۶)۔

لڑکیوں والی روایت میں یہ کہیں صراحت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غور سے سنا تھا، اور امر و نہی کا حکم غور سے سننے پر لگے گا بہ کہ مجرد سن لینے پر جس طرح کہ بالقصد دیکھنے پر حکم لگتا ہے نہ کہ بلا قصد نظر پڑ جانے پر۔ انتہی۔



* ان شبہات کا جواب جن کی بنیاد پر مصنف نے گانا کو جائز کیا ہے:

مصنف نے کہا کہ (غزالی نے احیاء العلوم کے اندر دونوں لڑکیوں کے گانے کی حدیث نقل کی ہے، اسی طرح حبشیوں کے مسجد نبوی میں کھیلنے والی روایت، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں شاباشی دینا یہ کہہ کر اے بنوارفدہ! کھیلتے رہو، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ کہنا کہ کیا اب تمہارا من بھر گیا، اور پھر آپ کا کھڑے رہنا یہاں تک کہ وہ تھک گئیں، اور اسی طرح عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیوں سے کھیلنا۔ اسکے بعد مصنف نے کہا کہ یہ ساری حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں جو اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں کہ گانا اس کھیل حرام نہیں ہیں)۔

تبصرہ:

پتہ چلا کہ مصنف بھی غزالی کی موافقت کرتے ہیں مذکورہ احادیث سے گانا کے مطلق جواز پر؛ کیونکہ مصنف نے غزالی کے کلام کو تسلیم کرتے ہوئے بطور استدلال کے نقل کیا ہے جب کہ یہ معلوم ہیکہ یہ حدیثیں کسی وجہ سے بھی گانا کے جواز پر دلالت نہیں کرتی ہیں، اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

جہاں تک حبشیوں کے کھیل کود والی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں گانے کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے، اس میں صرف یہ ہیکہ وہ مسجد نبوی کے اندر آپ نے نیزوں اور بھالوں سے کھیلتے تھے، اور یہ چیز جائز ہے، بلکہ اگر جہاد کیلئے بطور مشق کے ہو تو پھر ایسی صورت میں یہ مستحب ہو جائے گا۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم (۶ / ۱۸۴) کے اندر کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر آلات حرب کے ذریعے کھیل سکتے ہیں، اور اسکے لئے اسباب جہاد کا استعمال کر سکتے ہیں۔ انتہی۔

امام بخاری نے اس پر باب باندھا ہے کہ عید کے دن نیزوں اور بھالوں سے کھیلنے کا جواز۔
اسی طرح امام ابن حجر نے بھی فتح الباری (۲/ ۴۰۴) کے اندر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مسجد کے اندر آلات حرب کے ذریعے کھیل سکتے ہیں اور مشق بھی کر سکتے ہیں۔انتہی۔
ائمہ اسلام نے مذکورہ حدیث سے یہی سمجھا ہے اور حدیث اسی پر دلالت بھی کرتی ہے نہ کہ اس معنی اور مفہوم پر جسے غزالی اور مصنف نے سمجھ رکھا ہے۔واللہ اعلم۔
اور جہاں تک دونوں لڑکیوں کے گانے والی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں بھی گانے کے جواز کی کوئی حجت نہیں ہے، اس لئے کہ اس سے صرف یہی پتہ چلتا ہے کہ عید کے دن چھوٹی بچیاں ایسی گیت گا سکتی ہیں جس میں جنگ کے اوصاف کا تذکرہ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے مدارج السالکین (۱/ ۴۹۳) کے اندر کہا کہ جو اس حدیث سے گانے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں ان پر مجھے بڑا تعجب ہے کیونکہ یہ چھوٹی بچیاں عید کے دن بہادری، جنگی کارناموں اور مکارم اخلاق پر گیت گا رہی تھیں، آخر یہ اس سے گانے کے جواز پر دلیل کیسے بنا سکتے ہیں؟ مزید یہ کہ یہ حدیث خود انہیں پر حجت ہے، کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس گیت کو شیطان کی بانسری کہا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی تھی، اور ان دونوں لڑکیوں کو رخصت دے دی تھی جو کہ ابھی مکلف نہیں تھیں، اور انکے گانے سے کوئی مفسدہ بھی نہیں تھا، تو کیا اس سے تم لوگ اپنے مفسدہ اور فتنہ والے سماع پر استدلال کر سکتے ہو؟! انتہی۔
ابن الجوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب تلبیس ابلیس (۲۱۷) میں کہا کہ حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں لڑکیاں ابھی کم عمر تھیں اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ابھی بچی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے پاس بچیوں کو بھیج دیتے تھے تا کہ انکے ساتھ کھیلا کریں، اور اس گیت کے تعلق سے امام احمد کے

اندر مروی ہے کہ آپ سے اس گیت کے تعلق سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ قافلہ کے آمد پر استقبالیہ شعر تھا، وہ کہہ رہی تھیں: اتینا کم اتینا کم، مزید یہ کہ یہ واقعہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کا ہے، چنانچہ آپ سے گانے کی مذمت میں اثر وارد ہے اسی طرح آپ کے بھتیجے قاسم بن محمد سے بھی مروی ہے کہ آپ گانے کی مذمت کرتے تھے اور سننے سے روکتے تھے، اور آپ نے اپنی پھوپھی ہی سے علم حاصل کیا تھا۔ انتہی۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم (٦ / ١٨٢) کے اندر کہا کہ قاضی نے کہا کہ بچیوں کی گیت جنگی اشعار اور بہادری اور غلبے پر مشتمل تھی، اس سے کسی شر کا امکان نہیں ہے، اور نہ ہی اس میں گانے کی طرح سر تال ہوتے ہیں بلکہ شعر کی طرح پڑھ دیا جاتا ہے، اسی لئے بعض روایتوں میں وارد ہیکہ وہ لڑکیاں گانے والی یعنی گلوکارہ نہیں تھیں، بلکہ شعر اور گیت پڑھنے والی تھیں، اور عرب اور سنانے کو بھی گانا کہہ دیتے ہیں۔ انتہی۔

اسی طرح کی بات حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی کہی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہیکہ اس حدیث سے کسی صورت میں بھی گانے کے جواز پر کوئی حجت نہیں ہے جس کا دعوی غزالی اور مصنف نے کیا ہے، واللہ اعلم۔

آگے مصنف نے یہ بھی دعوی کیا ہے کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے گانا سنا اور اس میں کوئی حرج نہیں محسوس کیا۔

میں کہتا ہوں کہ یہ محض دعوی ہے، اسکے لئے صحیح سند کے ساتھ روایت ہونی چاہیئے، جس سے کہ نسبت درست ہو، چنانچہ مجرد دعوی سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔



* گانے کی حرمت کی دلیلوں پر مصنف کا اعتراض اور اس کا جواب:

مصنف نے کہا: (اور گانے کی حرمت پر جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں سب مجروح ہیں ان میں کوئی ایک بھی حدیث علمائے حدیث کے طعن سے خالی نہیں ہے)۔

تبصرہ:

اس کا ہم کئی وجوہات سے جواب دے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

ہم کہیں گے کہ گانے کی حرمت پر دلیلیں صرف سنت تک محدود نہیں ہیں بلکہ قرآنی آیات بھی ہیں جن سے گانے کی حرمت کا پتہ چلتا ہے، انہیں میں سے اللہ کا یہ قول بھی ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ) ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (لقمان:٦)۔

اس آیت پر کلام گزر چکا ہے، اسی طرح اللہ کا یہ قول بھی ہے: (وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا) ترجمہ: اور ان میں سے جس کو تو اپنی آواز کے ساتھ بہکا سکے بہکا لے اور اپنے سوار اور اپنے پیادے ان پر چڑھا کر لے آ اور اموال اور اولاد میں ان کا حصہ دار بن اور انھیں وعدے دے اور شیطان دھوکا دینے کے سوا انھیں وعدہ

نہیں دیتا۔(الاسراء:٦٤)۔

امام مجاہد کہتے ہیں اللہ نے فرمایا:(اوران میں سے جس کو تو اپنی آواز کے ساتھ بہکا سکے بہکا لے)یہاں آواز سے مراد گانااور باطل باتیں ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اغاثۃ اللھفان کے اندر کہا کہ یہاں اللہ کی اطاعت سے نکلی ہوئی ہر آواز شیطان کی آواز ہو،خواہ وہ بانسری کہ آواز ہو یا ڈھول کی یا کوئی بھی حرام صوت ہو سب شیطانی آواز ہے۔اوراللہ کی معصیت میں بڑھنے والا ہر قدم شیطان کا پیادہ ہے،اوراللہ کی معصیت میں سوار ہوکر نکلنے والا اسکا خیالہ ہے۔اسی طرح سلف نے کہاہے جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس سے نقل کیاہے۔

اسی طرح اللہ کا یہ قول بھی ہے:(أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ[59]وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ[60]وَأَنتُمْ سَامِدُونَ)ترجمہ:تو کیااس بات سے تم تعجب کرتے ہو؟[59]اور ہنستے ہواور روتے نہیں ہو۔[60]اورتم غافل ہو۔(النجم:٦١)۔

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیاہے کہ یہاں سمود سے مرادحمیر کی لغت میں گانا کہتے ہیں،عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ جب قرآن کی آیت پڑھتے تو گانے لگتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن کثیر کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں (سَمَد) گانے کو کہتے ہیں یہ یمنی لغت ہے آپ سے (سَامِدُ وْنَ) کے معنی اعراض کرنے والے اورتکبر کرنے والے بھی مروی ہیں، علی اورحسن رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غفلت کرنے والے۔

دوسری وجہ:

مصنف سے کہوں گا کہ آخر وہ کون دے علمائے حدیث ہیں جنہوں نے گانے کی حرمت پر وارد حدیثوں پر جرح کیا ہے، کیا انکا نام بتا سکتے ہیں؟ کیا بخاری، مسلم، احمد بن حنبل، ابو داود، ترمذی، نسائی، یحی بن معین، ابو زرعہ، ابو حاتم جیسے ائمہ جرح وتعدیل میں کوئی ہے یا پھر ان لوگوں میں سے ہیں جو گانے کو جائز کہتے ہیں؟!

تیسری وجہ:

مصنف سے کہیں گے کہ گانے کی حرمت پر جتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ مجروح نہیں ہیں، جیسا کہ آپ سمجھ رہے ہیں، بلکہ ان میں سے تو کچھ صحیح بخاری میں بھی ہیں جو قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب مانی جاتی ہے، ہاں یہ ہیکہ ان میں سے کچھ حدیثیں حسن اور کچھ ضعیف ہیں لیکن کثرت متابعت کی وجہ سے وہ بھی قابل حجت ہو جاتی ہیں، ورنہ گانے باجے کی حرمت پر قطعی دلائل موجود ہیں۔



*مصنف کا یہ گمان کہ علماء نے گانے کو دیگر محرمات کے ساتھ حرام کہا ہے،

اور اسکا جواب:

مصنف نے کہا کہ: (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گانے اور میوزک کی محفل میں شراب وکباب اور محرمات کی ملاوٹ ہوتی ہے جسکی وجہ سے بہت سارے علماء گانے اور میوزک کو حرام اور مکروہ کہہ دیتے ہیں)۔

تبصرہ:

اس پر ہم یہی کہیں گے کہ علماء نے گانے اور میوزک کو ان محرمات کی وجہ سے حرام نہیں کہا ہے بلکہ گانے کی حرمت پر خصوصی دلائل ہونے کی وجہ سے اسے حرام کہا ہے گرچہ یہ مذکورہ محرمات کی ملاوٹ نہ ہو۔

معلوم ہونا چاہئے کہ مصنف کی طرف علمائے امت پر یہ بہتان اور الزام ہے، جو مردود ہے۔

چنانچہ آگے مصنف نے کہا: (یہ متفق علیہ ہے کہ گانا اس وقت حرام ہو جاتا ہے جن اسکے ساتھ دیگر محرمات کی ملاوٹ ہو جیسے شراب کی مجلس فسق وفجور یا بے حیائی کی محفل ہو، جس پر کہ سخت وعید آئی ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عن عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ غَنْمٍ الْأَشْعَرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو عَامِرٍ أَوْ أَبُو مَالِكٍ الْأَشْعَرِيُّ، وَاللَّهِ مَا كَذَبَنِي سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ، وَالْحَرِيرَ، وَالْخَمْرَ، وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلَى

جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوحُ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ يَعْنِي الْفَقِيرَ لِحَاجَةٍ، فَيَقُولُونَ ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللَّهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ آخَرِينَ قِرَدَةً، وَخَنَازِيرَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ".

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غنم اشعری نے بیان کیا کہا کہ مجھ سے ابو عامر رضی اللہ عنہ یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: اللہ کی قسم! انہوں نے جھوٹ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے برے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو زنا کاری، ریشم کا پہننا، شراب پینا اور گانے بجانے کو حلال بنالیں گے اور کچھ متکبر قسم کے لوگ پہاڑ کی چوٹی پر (اپنے بنگلوں میں رہائش کرنے کے لیے) چلے جائیں گے۔ چرواہے ان کے مویشی صبح وشام لائیں گے اور لے جائیں گے۔ ان کے پاس ایک فقیر آدمی اپنی ضرورت لے کر جائے گا تو وہ ٹالنے کے لیے اس سے کہیں گے کہ کل آنا لیکن اللہ تعالیٰ رات کو ان کو (ان کی سرکشی کی وجہ سے) ہلاک کر دے گا پہاڑ کو (ان پر) گرا دے گا اور ان میں سے بہت سوں کو قیامت تک کے لیے بندر اور سور کی صورتوں میں مسخ کر دے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۵۹۰)۔

یہاں ہم یہی کہیں گے کہ گانا مستقل طور پر حرام ہے خواہ اسکے ساتھ دیگر محرمات کی ملاوٹ ہو یا نہ ہو، جس طرح کہ شراب خوری مستقل طور پر حرام ہے، گرچہ اسکے ساتھ گانا نہ ہو، جیسا کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار (۸ / ۱۰۷) کے اندر کہا کہ یہاں پر دیگر محرمات کے آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ گانا اسی وقت حرام ہو گا جب اسکے ساتھ یہ محرمات ہوں ورنہ تو اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ زنا بھی اسی وقت حرام ہو گا جب اسکے ساتھ شراب خوری اور باجے کا استعمال ہو، چنانچہ یہ لازم کہنا بالاتفاق باطل ہے۔ انتہی۔



*لھوالحدیث کی تفسیر گانا سے کرنے پر مصنف کا اعتراض اور اس کا جواب:

مصنف نے کہا: (بعض لوگ کہتے ہیں کہ گانا بھی اسی لھوالحدیث میں سے ہے جسکا اس ذکر قرآنی آیت میں وارد ہوا ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَشۡتَرِي لَهۡوَ الۡحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُهِينٌ) ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (لقمان: ٦)۔

ابن حزم نے کہا کہ آیت کے اندر ایک کافر کی صفت کو بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی اللہ کی راہ کو اس طرح مذاق بنائے تو وہ کافر ہو جائے گا، اسی کی مذمت اللہ نے کی ہے، اللہ نے کسی ایسے شخص کی مذمت نہیں کی ہے جو لہو ولعب کے آلات کو قلبی تسلی اور فکری ریاضت کیلئے خریدے اور اسکا مقصد لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکانا نہ ہو)۔

تبصرہ:

اسکا ہم کئی وجوہات سے جواب دے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

مصنف کا یہ کہنا کہ: (بعض لوگ کہتے ہیں کہ گانا بھی اسی لھوالحدیث میں سے ہے)۔ اس سے اس قول کی تحقیر اور تضعیف لازم آتی ہے اور اکابرین صحابہ وتابعین کی شان میں گستاخی بھی لازم آتی ہے جو کہ واضح غلطی ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مراد گانا ہے جیسا کہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے مروی ہے۔ابن عطیہ نے ابن مسعود، ابن عباس کے ساتھ جابر بن عبد اللہ اور مجاہد کا نام بھی لیا ہے، اسی طرح ابن الجوزی نے حسن بصری، سعید بن جبیر اور قتادہ ونخعی کا بھی نام گنایا ہے، اسکے بعد قرطبی نے کہا کہ میں کہتا ہوں کہ اس آیت پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر تین بار کہا کہ اس سے گانا مراد ہے۔ یہی قول عکرمہ، میمون بن مہران، مکحول شامی، حکم، حماد اور ابراہیم کا بھی ہے۔انتہی۔

دوسری وجہ:

میں کہوں گا کہ مصنف نے ابن حزم کے حوالے سے جو منفرد قول نقل کیا ہے مذکورہ صحابہ وتابعین کے اقوال کی روشنی میں اسکا بطلان اور مرجوح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ان سے یہی کہا جائے گا کہ آخر صحابہ اور تابعین کے سامنے ابن حزم کی کیا حیثیت ہے؟ ہمیں ابن حزم کے جلالت علمی کا اعتراف ہے مگر انکی غلطی پر انکی متابعت نہیں کر سکتے، اور نہ ہی انکے قول کو صحابہ وتابعین کے اقوال پر مقدم کر سکتے ہیں، اسی لئے ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا کہ اس مسئلے میں صرف صحابہ اور تابعین کی تفسیر ہی کافی ہے جنہوں نے لھو الحدیث سے گانا مراد لیا ہے۔

اسی طرح لھو الحدیث کی تفسیر باطل کلام سے کی جاتی ہے اور بلا شبہ گانا اس میں پہلے نمبر پر آئے گا، واللہ اعلم۔



*کیا گانا اطاعت الٰہی کیلئے مقوی ہے؟

مصنف نے ابن حزم کا قول نقل کرتے ہوئے کہا کہ (اگر کوئی گانا کے ذریعے اللہ کی معصیت کا قصد کرے تو وہ فاسق ہوگا اور یہی حال گانے کے علاوہ دوسری چیزوں کا بھی ہے، اور اگر کوئی گانے کے ذریعے قلبی راحت اور ذہنی سکون کا قصد کرے تاکہ اللہ کی اطاعت کیلئے یہ مقوی ثابت ہو اور یہ نیکی کیلئے مزید نشیط ہو جائے تو ایسی صورت میں یہ مطیع ومحسن میں شمار ہوگا، اور اس کا یہ فعل حق ہوگا، لیکن جو طاعت کی نیت نہ کرے اور نہ ہی معصیت کی نیت کرے تو وہ لغو ہوگا جو کہ معفو عنہ ہے، جیسے کہ ایک انسان اپنے باغ میں تفریح کیلئے نکلتا ہے، اور اپنے گھر کے دروازے پر راحت نفس کیلئے بیٹھتا ہے، اور اپنے کپڑے کو رنگ برنگے کلر سے رنگتا ہے، یا اس جیسی اور کوئی چیز)۔

تبصرہ:

دراصل ابن حزم کا یہ کلام انکے اس مذہب پر مبنی ہے کہ گانا بھی دیگر مباح چیزوں کی طرح ہے، اور یہ معلوم ہو چکا کہ یہ ایک باطل مذہب ہے، کیونکہ کتاب وسنت سے صحیح دلائل کی روشنی میں گانا کی حرمت ثابت ہے، اسلئے اس مذہب کی طرف مطلق التفات نہیں کیا جائے گا۔

اور جہاں تک گانے کو اطاعت الٰہی کیلئے مقوی بتانے اور اسے حق ثابت کرنے کا تعلق ہے تو یہ حقائق کا بدلنا اور واضح مغالطہ ہے؛ کیونکہ گانا اسکے برعکس اللہ کی اطاعت سے روکتا ہے، اسکی راہ سے لوگوں کو بھٹکاتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ)

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو غافل کرنے والی بات خریدتا ہے، تاکہ جانے بغیر اللہ کے

راستے سے گمراہ کرے اور اسے مذاق بنائے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔(لقمان:٦)۔

یہاں لھو الحدیث سے مراد گانا ہی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اسلئے انکا یہ قول آیت کے صریح مخالف ہے، اور اطاعت کیلئے جو آواز معاون اور مقوی ہے وہ قرآن کا سننا ہے جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مدارج السالکین (١/ ٤٨٥) کے اندر کہا ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاوی (١١/ ٥٥٧) کے اندر کہا کہ جس آواز کے سننے کا حکم ہے وہ قرآن کی تلاوت ہے، جسے سن کر صحابہ اور تابعین اور دیگر سلف امت اپنے دلوں کا تزکیہ کرتے تھے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(الاعراف: ٢٠٤)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(فَبَشِّرْ عِبَادِ[17] الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ) ترجمہ: سو میرے بندوں کو بشارت دے دے۔[17] کان لگا کر بات سنتے ہیں، پھر اس میں سب سے اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقلوں والے ہیں۔ (الزمر:١٨)۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے:(وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) ترجمہ: اور جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتا ہے، گویا اس نے وہ سنی ہی نہیں، گویا اس کے

دونوں کانوں میں بوجھ ہے، سو اسے دردناک عذاب کی خوش خبری دے دے۔ (لقمان: ۷)۔

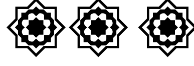
مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ) ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا، اس قرآن کو مت سنو اور اس میں شور کرو، تاکہ تم غالب رہو۔ (فصلت: ۲۶)۔

اسکے بعد کہا کہ یہی وہ آواز ہے جسکے سننے کا حکم ہے اور سلف جسے فجر سے لیکر عشاء تک سنتے تھے، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے کہتے کہ ہمیں رب کی یاد کراؤ چنانچہ وہ تلاوت سرور کردیتے تھے اور لوگ سنتے تھے، اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی تلاوت کا مطالبہ کیا تھا محض سننے کی وجہ سے۔ یہی اسلام کے اندر مشروع ہے جسے اکٹھا ہو کر بھی سن سکتے ہیں، اسکے علاوہ دوسری باطل آواز خواہ وہ ملحن گانا ہو یا تالی کی آواز ہو یا دف کی آواز ہو ان سب کے سننے کیلئے قصد کرنا اور اکٹھا ہونا غیر مشروع ہے کسی نے بھی جائز نہیں کہا ہے۔ انتہی۔

اور جہاں تک ابن حزم کا گانا کے بارے میں یہ کہنا کہ (لیکن جو طاعت کی نیت نہ کرے اور نہ ہی معصیت کی نیت کرے تو وہ لغو ہوگا جو کہ معفو عنہ ہے، جیسے کہ ایک انسان اپنے باغ میں تفریح کیلئے نکلتا ہے، اور اپنے گھر کے دروازے پر راحت نفس کیلئے بیٹھتا ہے)۔

تو اسکے بارے میں یہی کہیں گے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ یہ مباح امر پر حرام امر کو قیاس کیا گیا ہے، اسی طرح ایک نقصان دہ چیز کو ایسی چیز پر قیاس کیا گیا ہے جس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اسکے علاوہ بھی کئی فوارق ہیں، جس سے پتہ چلا کہ یہ قیاس باطل ہے، اور مجھے تعجب ہے ابن حزم پر کہ وہ ایک طرف قیاس کے قائل ہی نہیں ہیں اور یہاں ہر باطل اور فاسد قیاس تک استعمال

کررہے ہیں!!



۱۱-سینما گھروں میں جانے کا حکم

مصنف نے آگے ص ۲۲۳ / پر کہا:

مصنف نے ص ۲۲۳ پر سینما گھروں میں جانے کے تعلق سے ایک تمہید باندھی ہے پھر اسکے بعد کہا کہ: (ہم سینما کو اسی طرح حلال اور پاک سمجھتے ہیں، بلکہ کبھی کبھار سینما مستحب بھی ہو جاتا ہے، اور اسکے دیکھنے کا مطالبہ بھی کیا جاسکتا ہے اگر اس میں چند شروط پائے جائیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۱-اسکے موضوعات بے حیائی اور فسق و فجور سے پاک ہوں، اور دین اسلام کے تمام عقائد اور احکام و آداب کے منافی ہو۔

۲-وہ دینی یا دنیوی واجبات ان غافل نہ کرے۔

۳-سینما دیکھنے میں اس طرح اختلاط نہ پایا جائے جو اجنبی مرد اور عورت کیلئے باعث شہوت ہو)۔

تبصرہ:

اس کا جواب درج ذیل دو وجوہات سے دے سکتے ہیں:

پہلی وجہ:

میں کہوں گا کہ سینما میں مذکورہ شرائط پائے جائیں یہ بہت ہی بعید بلکہ محال ہے، کیونکہ اگر مذکورہ محرمات نہ پائے جائیں اور ان شرائط کا لحاظ کیا جائے تو پھر لوگ سینما کیلئے بہت کم جائیں گے، جبکہ سینما گھروں کے ذمہ داروں کا مقصد مختلف جسیز ناجائز وسائل کا استعمال کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں

کی بھیڑ اکٹھا کرنا ہوتا ہے۔تا کہ انکا زیادہ سے زیادہ مادی فائدہ ہوسکے۔

دوسری وجہ:

اگر ہم مذکورہ شرائط پر سینما کو مان بھی لیں تو یہ متحرک تصویروں اے خالی نہیں ہوتے،اور یہ بلا شبہ حرام ہے، جیسا کہ تصویر کشی کے مسئلے میں بات گزر چکی ہے،جس سے پتہ چلا کہ جس طرح اپنے گھر میں تصویروں کا دیکھنا جائز نہیں ہے اسی طرح سینما گھروں میں بھی ذی روح تصاویر کا دیکھنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسے گھروں میں جانا جائز ہے۔

سینما گھر شر و رفتن سے محفوظ نہیں ہوتے بلکہ یہ شر پھیلانے کی جگہ ہے اس پر ہم کچھ لوگوں کی گواہی نقل کر رہے ہیں جنہوں نے سینما کے نقصانات بتائے ہیں اور اس سے آگاہ کیا ہے:

النھضۃ الاصلاحیۃ کے مصنف ص ۳۵۷ پر سینما کے کئی منکرات گناتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں میں سے عورتوں کا متحرک تصاویر کا دیکھنا ہے، کیونکہ اسکرین پر ایسی تصاویر آتی ہیں جو بے حیائی اور فسق وفجور کی طرف دعوت دیتی ہیں،اور ایسی کوئی فلم نہیں ہوتی جس کے اندر عورت اور مرد کی تصویر نہ ہو اور بے پردہ عورتوں کی کثرت ہوتی ہے، اکثر فلموں میں عشق ومحنت کی کہانی اور فسق وفجور کی تصاویر ہوتی ہیں۔انتہی۔

مجلہ الازھر (۲۶ / ۴۴۲) کے اندر لکھا ہے کہ مصر کے اندر سینما ایک فن ہے،جس کا مقصد قوم کو مہذب بنانا ہے مگر حقیقت یہ ہیکہ سینما اپنے اس مقصد میں بری طرح ناکام رہا ہے، بلکہ وہ مادی فائدہ کے حصول میں ہر وسیلہ استعمال کرتا ہے۔انتہی۔

آگے ص ۷۱۵ پر لکھا ہے کہ ایسی کوئی فلم مشکل ہی سے ملے گی جس میں بوس وکنار نہ ہو، یہاں تک کہ فلم کا مطلب ہی بوس وکنار ہوگیا، اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں یہی خیال لیکر سینما گھروں میں

جاتے ہیں، اس طرح یقیناً یہ بیماری کا گھر ہے۔ انتہی۔

پتہ چلا کہ سینما اخلاق و دین کے بگاڑنے کا گھر ہے، ایسا کوئی سینما گھر نہیں ہوگا جو مذکورہ مفاسد سے خالی ہو، اور اس کے بنانے والے معاشرے کے نیک لوگوں کو ذہن میں رکھ کر نہیں بناتے ہیں بلکہ ان کا مقصد لوگوں سے مال کمانا ہوتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ان گھروں کا رخ معاشرے کے بگڑے ہوئے لوگ ہی زیادہ تر کریں گے۔ لہذا سینما گھر کسی بھی طرح خیر و بھلائی کا باعث نہیں ہیں گرچہ ایسا سوچنے والے گمان کرتے ہوں۔



خاتمہ

اخیر میں کہوں گا کہ کاش مصنف نے اپنی کتاب میں ان اصولوں کا پاس ولحاظ کیا ہوتا جنہیں کتاب کے مقدمے میں بیان کیا ہے جیسے کہ جو حرام تک لے جانے والی ہو وہ حرام ہے۔حرام میں واقع ہونے کا اگر خدشہ ہو تو ایسے شبہے سے دور رہنا چاہئے۔اچھی نیت سے کوئی حرام چیز حلال نہیں ہو جائے گی۔

مگر حقیقت یہ ہیکہ مصنف نے اپنے تمام فتوؤں میں ان اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا ہے،اور جگہ جگہ ٹھوکر کھائی ہے،اور اکثر جگہوں پر شاذ اقوال کی طرف رجوع کیا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کاش اپنی کتاب کو مصنف نے مفید اور نافع بنایا ہوتا۔

استاد عبد الحمید طہماز نے مصنف پر رد کرتے ہوئے کہا کہ اگر مصنف نے اپنے بیان کردہ اس اصول کی پابندی کی ہوتی کہ حرام وہی ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہو اور حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہو،تو پھر شاذ اور ضعیف اقوال وآراء کو بنیاد نہ بناتے۔انتہی۔

سلیمان تیمی نے کہا کہ اگر آپ ہر عالم کی رخصت (شاذ قول) اور غلطی کو لیکر چلیں گے تو سارا شر آپ کے اندر جمع ہو جائے گا۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین (۱/ ۱۰) پر کہا کہ چونکہ تبلیغ دین علم اور سچائی کا تقاضہ کرتی ہے اسلئے اس ذمیداری کو ادا وہی کرسکتا ہے جو علم دین اور سچائی کا پیکر ہوگا،اسی طرح اسکی سیرت بھی اچھی ہو،اپنے گفتار و کردار میں انصاف پسند ہو،معاشرت میں حسن سلوک کا خوگر ہو۔دنیاوی ملوک کی طرف سے جب کوئی بات کہنی ہوتی ہے تو اسکے لئے تمام اعلی اور اچھے معیار کی رعایت کی جاتی

ہے پھر اگر ملک الملوک اور رب السماوات والارض کی طرف سے کوئی بات کہنی ہو تو پھر مزید اس میں رعایت کی ضرورت ہوگی۔ انتہی۔

اور چونکہ مصنف نے تحریم حلال کے پہلو پر زیادہ مفصل کلام کیا ہے اور لوگوں کو خوب کھری کھری سنائی ہے کہ آخر کیوں حلال چیزوں کو لوگ بلا دلیل حرام ٹھہراتے ہیں، اسلئے مصنف کو دوسرا پہلو بھی نہیں بھولنا چاہئے تھا یعنی تحلیل حرام کا پہلو کہ آخر کچھ لوگ کیوں حرام کو بلا دلیل حلال ٹھہرانے میں لگے ہوئے ہیں جبکہ اکثر لوگ اسی میں زیادہ واقع ہوتے ہیں، اور اللہ تعالی نے تو دونوں پہلوؤں سے روکا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: (وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ[116] مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) ترجمہ: اور اس کی وجہ سے جو تمھاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں، مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تا کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔ [116] بہت تھوڑا فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النحل: ۱۱۷)۔

اور یہ شرعی قاعدہ ہے کہ محرمات میں واقع ہونے کے خدشے سے شبہات سے دور رہتے ہیں، اور جب ممانعت اور اباحت دونوں جمع ہو جائیں تو ممانعت کے پہلو کو غالب سمجھا جاتا ہے۔ اس سے حرام میں واقع ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

آخر میں دعا ہیکہ اللہ تعالی ہم سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔



فہرست مصادر و مراجع

-قرآن کریم۔

-نظرات فی الحلال والحرام فی الاسلام۔

-فتح الباری۔

-النهضة الاصلاحیة للشیخ مصطفی الحمانی۔

-مصائب الدخان للاستاذ محمد عبد الغفار۔

-کیف تبطل التدخین للدکتور هربرت ویلسن۔

-الدخینة فی نظر طبیب الدکتور دانیال۔

-نیل الاوطار للشوکانی۔

-شرح صحیح مسلم للنووی۔

-المجموع شرح المهذب للنووی۔

-تفسیر ابن العربی۔

-اعلام الموقعین لابن القیم۔

-الجواب المفید فی حکم التصویر لابن باز۔

-شرح العمدہ لابن دقیق العید۔

-مسند احمد۔

-مجموع الفتاوی لابن تیمیہ۔

-اضواء البیان للشنقیطی۔

-الحجاب لابی الاعلی المودودی۔

-روائع البیان للشیخ محمد الصابونی۔

-روضۃ المحبین لابن القیم۔

-تفسیر القرطبی۔

-مدارج السالکین لابن القیم۔

-اغاثۃ اللھفان لابن القیم۔

-تلبیس ابلیس لابن الجوزی۔

-منہاج السنہ لابن تیمیہ۔

-مجلۃ الازھر(۲۶)۔



فہرست موضوعات

موضوعات	صفحہ
مقدمہ	۲
"الحلال والحرام فی الاسلام" کی غلطیوں کی وضاحت اور اسکا جواب	۵
۱-شرعی تکالیف، دینی شعائر اور حلال وحرام کو حکمت اور عقلی علتوں سے خالی کہنا	۵
۲-غیر مسلموں سے دوستی کرنا	۷
۳-تمباکو خوری اور سگریٹ نوشی کا حکم	۱۰
۴-مردوں پر ریشم کی حرمت	۱۳
۵-داڑھی چھوڑنے کا حکم	۱۵
۶-ماکول اللحم جانور کو بجلی کے جھٹکے سے ذبح کرنے کا حکم	۲۱
۷-تصویر کشی کا حکم	۲۹
۸-اجنبی مردوں کے سامنے عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کھولنے کا حکم	۴۳
۹-شطرنج کھیلنے کا جواز	۶۲
۱۰-گانا اور میوزک سننے کا حکم	۶۷
* گانے کی حرمت پر علمائے امت کے اقوال	۷۱
* ان شبہات کا جواب جن کی بنیاد پر مصنف نے گانا کو جائز کیا ہے	۷۷
* گانے کی حرمت کی دلیلوں پر مصنف کا اعتراض اور اس کا جواب	۸۰
* مصنف کا یہ گمان کہ علماء نے گانے کو دیگر محرمات کے ساتھ حرام کہا ہے	

اور اسکا جواب	۸۳
*لھوالحدیث کی تفسیر گانا سے کرنے پر مصنف کا اعتراض اور اس کا جواب	۸۵
*کیا گانا اطاعت الہی کیلئے مقوی ہے؟	۸۷
۱۱-سینما گھروں میں جانے کا حکم	۹۱
خاتمہ	۹۴
فہرست مصادر و مراجع	۹۶
فہرست موضوعات	۹۸

